ماہنامہ
پیام عرفات
رائے بریلی

ملک کی موجودہ صورتحال

''یہ بڑی حیرت اور انتہائی افسوس کی بات ہے کہ وہ ملک جس نے کبھی زمانہ قدیم میں پریم کی سریلی بانسری بجائی تھی اور دل کش لے میں ہندی، سنسکرت، فارسی اور پھر اردو میں محبت کا پیغام دیا تھا اور آخر دور میں بھی جہاں بیٹھ کر مسلمان صوفیوں نے انسان دوستی اور انسانیت کے احترام کا درس دیا تھا اور جس سرزمین سے گاندھی جی نے عدم تشدد اور اہنسا کا پیغام ساری دنیا کو سنایا تھا اور جس کے پاس آج بھی ہر زبان میں انسان دوستی کا وسیع لٹریچر ہے، اس ملک میں آج انسانیت کے شرف اور انسانی جان کی قیمت کا پورا پورا احساس نہیں۔''

● حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

مرکز الإمام أبي الحسن الندوي
دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

JAN 16

₹10/-

عصر حاضر کا چیلنج

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ)

اس زمانہ کا چیلنج یہ ہے کہ اسلام کو اس کی جداگانہ تہذیب اس کی مخصوص معاشرت، اس کے عائلی قانون، اس کے وسائل معرفت، اس ملک، اس کے ماننے والوں کی نسلی زبان وادب، رسم الخط اور اس کے پورے دینی وتہذیبی ورثہ سے الگ کردیا جائے اور اسلام چند عبادات اور چند رسوم وتقریبات (جو بعض مذاہب کا کل سرمایہ اور بعض قوموں کا واحد مذہبی نشان ہے) اسلام انہیں مذہبی ومعاشرتی رسوم کا مجموعہ بن کر رہ جائے، مسلمانوں سے کبھی اشارہ کنایہ سے اور کبھی صاف صاف یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمان اپنے رضا ورغبت سے اپنی جداگانہ تہذیب اور ہر اس چیز سے بے تعلقی اختیار کرلیں، جو ان میں الگ ملت اور ایک مستقل تہذیب کا وارث ہونے کا احساس پیدا کرتی ہے، وہ خود ہی اعلان کردیں کہ ہم کسی جداگانہ تہذیب کے حامل نہیں، وہ خود اپنے عائلی قانون (Personallaw) میں اصلاح وترمیم کا مطالبہ کریں یا پیش کیا جائے تو اس کو قبول کریں وہ اپنے تمام تعلیمی مرکزوں کو جو انہوں نے اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق قائم کئے تھے حکومت کی تحویل و انتظام میں دے دیں اور ان کے نظم ونسق سے خود دست بردار ہوجائیں تاکہ ان سے ایک ہی طرح کے نمونے (Models) تیار کئے جائیں، اصل خطرہ نسل کشی کا نہیں، معنوی ارتداد اور ذہنی وتہذیبی نسل کشی کا ہے، اس خطرہ کو دیکھنے اور اس کو محسوس کرنے کے لیے کسی بڑی فراست اور دور بینی کی ضرورت نہیں، یہ تو دیوار کا نوشتہ ہے جس کو ہر ایک پڑھ سکتا ہے اور اب تو بعض برسر اقتدار پارٹیوں اور علاقائی حکومتوں نے نصاب تعلیم کی تبدیلی ہندی زبان کو لازمی قرار دینے اور اس کی جبریہ تعلیم اور ایک نئی تاریخ ترتیب دینے کے اعلان کے ذریعہ اس کا فیصلہ اور پالیسی کے طور پر اعلان بھی کردیا ہے۔

یہ ''سلطان جمہوری'' کا زمانہ ہے، ہمارے اوپر پارلیمنٹ اور ریاستوں میں اسمبلیوں کی حکومت ہے اور ان کو آئین سازی کا پورا اختیار ہے، پھر حکومت کا دائرہ پہلے کی طرح دفاعی، امن قائم کرنے اور ٹیکس وصول کرنے کی حد تک محدود نہیں، وہ زندگی کے تمام شعبوں اور تعلیم وتربیت کے تمام ذرائع پر حاوی ہے، آپ کو معلوم ہے کہ پرانی حکومتیں پرائیویٹ معاملات میں دخل نہیں دیتی تھیں، ذاتی ملکیتوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا، آزاد درسگاہوں سے ان کو کوئی سروکار نہیں تھا، پرسنل لا سے ان کا کوئی علاقہ نہیں تھا، تعلیم میں کسی خاص عقیدہ، کسی خاص فکر ومقصد پر ان کو اصرار نہ تھا لیکن اب یہ صورت حال نہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

پیام عرفات

مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دار عرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

جلد: ۸ | جنوری ۲۰۱۶ء | شمارہ: ۱

سرپرست: حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (صدر، دار عرفات)

نگراں: مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ (جنرل سکریٹری، دار عرفات)

مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسنی ندوی | مفتی راشد حسین ندوی | عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی | محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

گستاخ رسول کا انجام

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا﴾

(جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر دنیا و آخرت میں اللہ نے پھٹکار کی ہے اور ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے)

(الأحزاب: ٥٧)

﴿وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

(اور جو لوگ بھی اللہ کے رسول کو اذیت پہنچاتے ہیں ان کے لیے دردناک عذاب ہے)

(التوبة: ٦١)

ماہانہ زر تعاون: Rs.10/-

www.abulhasanalinadwi.org

سالانہ زر تعاون: Rs.100/-

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ''پیام عرفات'' مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِ عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

E-Mail- markazulimam@gmail.com

فہرس

نئے جال لائے پُرانے شکاری (اداریہ) ۳
بلال عبدالحی حسنی ندوی

رسالت پر ایمان ۴
مولانا سید محمد الحسنیؒ

تخلیق آدم کا مقصد ۵
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ

کامیاب زندگی کے تین اصول ۷
مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ

سیرت نبوی ﷺ -قرآن کریم کے آئینہ میں ۹
بلال عبدالحی حسنی ندوی

نماز کی سنتیں ۱۱
مفتی راشد حسین ندوی

بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت-قرآن کریم کی روشنی میں.. ۱۳
عبدالسبحان ناخدا ندوی

گستاخ رسول کی سزا ۱۶
محمد ارمغان بدایونی ندوی

حقوق العباد کی اہمیت ۱۷
محمد امین حسنی ندوی

آخرت کی کھیتی ۱۸
محمد نجم الدین ندوی

مسلم ممالک کا فوجی اتحاد: اندیشے-امیدیں ۱۹
محمد نفیس خاں ندوی

دردِ معاصی کی دوا

تتبعۂ فکر

سید الطائفہ علامہ سید سلیمان ندویؒ

عشق نبوی دردِ معاصی کی دوا ہے
ظلمت کدۂ دہر میں وہ شمع ہدیٰ ہے

پڑھتا ہے درود آپ ہی تجھ پر ترا خالق
تصویر پہ خود اپنی مصور بھی فدا ہے

وہ نور نبی مقتبس از نور خدا ہے
بندہ کو شرف، نسبت مولا سے ملا ہے

احمد سے پتہ ذات احد کا جو ملا ہے
مصنوع سے صانع کا پتہ سب کو چلا ہے

بندہ کی محبت سے تری اے ابر کرم رونق دنیا ہے قائم
تیرے ہی لیے یہ گلشن ہستی بھی بنا ہے

فردوس و جہنم تری تخلیق سے قائم
یہ فرق بد و نیک ترے دم سے ہوا ہے

فرمان دو عالم تری توقیع سے نافذ
تیری ہی شفاعت پہ رحیمی کی بنا ہے

لے جائے گا منزل سے بہت دور بشر کو
جو جادہ سفر کا ترے جادہ کے سوا ہے

مدیر کے قلم سے

نئے جال لائے پرانے شکاری

بلال عبدالحی حسنی ندوی

داعش کے نام سے جو ہوّا کھڑا کیا گیا تھا، امریکہ و یورپ کو اس میں خاصی کامیابی حاصل ہوئی ہے، تازہ خبروں سے یہ بات صاف صاف سامنے آرہی ہے کہ امریکہ میں اسلام اور مسلمانوں سے لوگوں کی دشمنی کئی گنا بڑھ گئی، فرانس میں نہ جانے کتنی مسجدیں زد میں آئیں، اور بعض کج فہموں نے یہاں تک کہہ ڈالا کہ اسلام کوئی مذہب نہیں، بلکہ صرف مار دھاڑ کرنے والا ایک نظریہ ہے، اسلام دشمن طاقتوں کا مقصد یہی تھا کہ اسلام کی طرف ساری دنیا میں جو کشش بڑھ رہی تھی اور اسلام کے نظام اخلاق سے دنیا جس طرح متاثر ہوتی جارہی تھی اور اس کے نتیجہ میں اسلام لانے والوں کی تعداد میں ایک اضافہ نظر آرہا تھا، اس پر روک لگائی جائے، تازہ خبروں کے مطابق اسلام دشمن طاقتوں کو بڑی حد تک اس میں کامیابی حاصل ہوئی ہے، اور دنیا کے مختلف ملکوں میں ذہنوں کو مسموم کرنے کا کام اس کے ذریعہ سے بڑی حد تک انجام پایا ہے۔

پس پردہ داعش کی مدد کرنے والے کون لوگ ہیں، گہرائی تک جانے والے اس کو محسوس کررہے ہیں کہ اس کے پودے کو کہاں سے پانی ملتا رہا ہے، اب جب کہ حالات تبدیل ہوچکے ہیں اور داعش سے جو کام یورپ و امریکہ کو لینا تھا وہ لے چکا ہے تو اب اس کے خلاف اسلامی ملکوں کا اتحاد بنایا گیا ہے، اور نام نہاد دولت اسلامیہ کے مقابلہ کے لیے بھی ''اسلامی فوجی اتحاد'' کا نام سامنے لایا گیا ہے، تاکہ دنیا کے سامنے مسلمانوں کی آپسی خانہ جنگیاں طشت از بام کی جائیں، اور مسلمانوں کو مسلمانوں کے ہاتھوں مروایا جائے کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے، دیکھنے والے دیکھ رہے ہیں کہ مارنے والا کون ہے؟ مرنے والا کون ہے؟ کس کی تلوار سے خون ٹپک رہا ہے، مگر یہ کون جانے کہ تلوار کس نے تھمائی ہے؟ گولی چلانے والا کون ہے؟ جو کسی کے کاندھے کا استعمال کرکے اپنے مقاصد پورا کرنے کے لیے انسانیت کا خون کررہا ہے اور اس چابک دستی کے ساتھ کہ ؎

خنجر پہ کوئی داغ نہ دامن پہ کوئی چھینٹ
تم قتل کرو ہو کہ کرامات کرو ہو

بہرحال دشمن دشمن ہے اس کا تو کام ہی دشمنی ہے، افسوس اپنے ان سادہ لوح لوگوں پر ہے جو بے چارے استعمال ہوجاتے ہیں اور اکثر دین سمجھ کر بہت سارے وہ اقدامات کر بیٹھتے ہیں کہ جو اسلام دشمن طاقتوں کے کاز کو پورا کرتے ہیں یا اس کو تقویت پہنچاتے ہیں۔

اس ملک میں بھی یہودی ذہن نے بال و پر نکالنے شروع کیے ہیں، وہ یہاں بھی مسلمانوں میں آپس کے جھگڑے بڑھا کر ایک طرف ان کو لڑوانا چاہتے ہیں تو دوسری طرف ایسی چالیں بھی چلی جارہی ہیں کہ مسلمانوں میں اشتعال پیدا ہو اور وہ کوئی سنجیدہ اور ٹھوس قدم اٹھانے کے بجائے صرف نعروں اور مظاہروں میں الجھ کر رہ جائیں اور ان کو اسلام اور مسلمانوں کی ترقی کے لیے اور دنیا کو صحیح پیغام پہنچانے کے لیے نہ وقت مل سکے اور نہ ان کا ذہن اس سلسلہ میں کام کرسکے۔

ساری دنیا کے اس منظر نامے کو دیکھ کر یہ فیصلہ ہم سب مسلمانوں کو کرنا پڑے گا کہ سب کو مل کر اس سلسلہ میں ٹھوس اقدامات کرنے کی ضرورت ہے، اسلام کی حقیقت کو سمجھ کر سیرت طیبہ کی روشنی میں ایک طرف اپنی زندگیوں کو اس رخ پر لانے کی ضرورت ہے جو اللہ کے رسول ﷺ نے اس امت کے لیے طے فرمایا ہے، اور اسی طرح اجتماعی زندگی میں بھی ویسی تبدیلی پیدا کرنے کی ضرورت ہے جو سیرت طیبہ کی روشنی میں ہو، جس میں انسانیت ہو، ہمدردی و محبت ہو، غمگساری کے جذبات ہوں، کمزوروں کے کام آنے کا وہ مبارک عمل ہو کہ جو پوری دنیا کی ضرورت ہے، اور یہی صرف ایک حل ہے دنیا کے سامنے اسلام کا بہتر نمونہ پیش کرنے کا کہ ایک ایک فرد مسلم طے کرے کہ ہمیں اسلام کا نمونہ اختیار کرنا ہے، حالات جو بھی آئیں کچھ صبر و ضبط کا سہارا لیتے ہوئے اللہ کے رسول ﷺ کی مبارک زندگی کی روشنی میں آگے بڑھنا ہے، جو طریقہ صحابہ نے اختیار کیا اور جس کے نتیجہ میں ساری دنیا اسلام سے نہ صرف یہ کہ روشناس ہوئی بلکہ وہ اسلام کے آغوش میں آگئی، وقتی مسائل سے ذرا ہٹ کر سنجیدگی کے ساتھ سوچنے کی ضرورت ہے، تاکہ وہی تاریخ دہرائی جاسکے جو دنیائے انسانیت کے لیے حسین ترین تاریخ تھی، جہاں ایک کمزور اور بوڑھی عورت سر پر سامان لے کر ایک ملک سے دوسرے ملک چلی جاتی لیکن کوئی اس کی طرف نگاہ غلط انداز کرنے والا بھی نہ ہوتا، یہی مسلمانوں کی کامیابی کا راز تھا اور آج بھی بند تالوں کو کھولنے کی یہی شاہ کلید ہے۔

رسالت پر ایمان

مولانا محمد الحسنی

﴿لِتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ﴾ (الفتح: ۹)

(تاکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ اور اس کی مدد کرو اور اس کی عزت و تعظیم کرو)

سلسلہ ایمانیات کا ایک بہت بڑا رکن رسالت پر ایمان ہے، اس لیے کہ ان سارے ارکان اور حقیقتوں کا علم ہم کو رسولوں ہی کے ذریعہ ہوا ہے، اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کے پاس اپنے رسولوں اور پیغمبروں کو نہ بھیجتا تو یہ حقیقتیں اور خدا کی مرضی و مشیت کے مطابق زندگی گزارنے کا علم کسی کو حاصل نہ ہوسکتا، اس وقت ہر شخص اپنے ذوقِ مسلک، اپنے علم و تجربہ، اپنے آباء واجداد کی سنی ہوئی باتوں اور قصہ کہانیوں پر بھروسہ کرتا، اور ہمیشہ بھٹکتا رہتا، اس دنیا پر ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے بڑا احسان اس کے پیغمبروں اور سب سے بڑھ کر پیغمبروں کے سربراہ محمد ﷺ کا ہے۔

رسالت پر ایمان، نہ صرف حقیقت کا مطالبہ ہے بلکہ وہ انسان کے لیے جذبہ احسان مندی کا اظہار اور خدا تک رسائی کا واحد ذریعہ اور راستہ بھی ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَإِن مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا نَذِيرٌ﴾ (الفاطر: ۲۴)

(کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس میں کوئی ڈرانے والا اور خبردار کرنے والا نہ آیا ہو)

لیکن رسالت کا کام صرف خدا کا پیغام اور خدا کے احکام بتا کر بری الذمہ اور بے تعلق ہوجانا نہیں ہے، رسول اور نبی کی حیثیت معاذ اللہ صرف نامہ بر یا ڈاکیہ کی نہیں، اس کے ذمہ یہ کام ہوتا ہے کہ اپنی پوری صلاحیت و طاقت اور دل سوزی اور قلب و روح کی حرارت اور اپنی بصیرت و بصارت سے کام لے کر انسانی گروہ کو راہ حق پر ڈالے اور اس کے لیے ہر طرح کی صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت کرے۔

سید الانبیاء والمرسلین کے بارے میں قرآن مجید کی مندرجہ ذیل دونوں آیتیں اسی بات پر روشنی ڈالتی ہیں:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (الجمعة: ۲)

(وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کا تزکیہ کرتے ہیں، اور ان کو کتاب و دانش مندی کی باتیں سکھاتے ہیں اور یہ لوگ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے)

﴿فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِن لَّمْ يُؤْمِنُوا بِهَٰذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا﴾ (الکھف: ۶)

(سو شاید آپ ﷺ ان کے پیچھے اگر یہ لوگ اس مضمون پر ایمان نہ لائے تو غم سے اپنی جان دے دیں گے)

رسالت پر عمومی اور مجموعی طور پر اور آخری رسالت ''اسلام'' پر خصوصی اور مرکزی حیثیت سے ایمان لائے بغیر عقیدۂ توحید یا آخرت پر ایمان بالکل ناکافی ہے، خواہ اس عقیدہ کے اثرات بھی ایسے شخص کی زندگی میں نمایاں ہوں۔

اس کے لیے تمام رسولوں پر ایمان اور آخری رسول (محمد مصطفیٰ ﷺ) کی کامل پیروی اور اتباع لازمی شرط ہے، دوسرے انبیاء پر ایمان مجمل بھی کافی ہے، اس لیے کہ ان کی پیروی ہمیں نہیں کرنا ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

"ولو كان موسى حيا ما وسعه الا اتباعي" [أو كما قال عليه السلام] (اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری اتباع سے چارہ نہ ہوتا)

لیکن محمد رسول اللہ ﷺ (فداه أبي و أمي) پر ایمان مفصل کی ضرورت ہے، آپ ﷺ کے طریقہ حیات کو سیکھنے، آپ ﷺ کی تعلیمات کو حاصل کرنے، اور آپ ﷺ کی ایک ایک سنت کی اتباع کی ضرورت ہے، اسی کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ سے رسمی اور قانونی نہیں محبت و فدائیت کے تعلق کی ضرورت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعلق کے جو حیرت انگیز واقعات ہم پڑھتے ہیں، ان کا (جس درجہ میں ممکن ہوسکے) ہم سے بھی مطالبہ ہے، اور ہم بھی اس کے مکلف ہیں۔

تخلیق آدم کا مقصد

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

قرآن مجید میں مسلمانوں کو زندگی کے مختلف پہلوؤں میں صحیح مسلمان بننے کی تاکید فرمائی گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو یوں ہی تفریحاً یا محض ایک دلچسپی کے لیے نہیں پیدا کیا، بلکہ بامقصد پیدا کیا، اور ان کی عظمت فرشتوں کے سامنے ظاہر فرمائی، اور ان کو یہ جتایا کہ ہم ایسی مخلوق پیدا کر رہے ہیں جس کو تمام مخلوقات پر امتیاز حاصل ہے، حالانکہ اللہ کی عبادت اور اس کی اطاعت میں فرشتوں سے زیادہ کس کو امتیاز حاصل ہوگا؟ وہ تو مجسم عبادت ہیں، وہ گناہ سے واقف ہی نہیں ہیں، گناہ کرنا تو دور کی بات ہے، وہ صرف خدا کے ارادوں، اور اسی کی مشیت پر سب کچھ کرتے ہیں، اسی کے تابع ہیں، ان سے زیادہ کون عبادت گزار، اطاعت شعار ہوگا؟ لیکن ان کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، اور دوسری مخلوقات پر اس کو برتر بنایا، اور انسان کے لیے پوری دنیا بسائی، دنیا میں جو اس نے نعمتیں رکھیں یہ انسان کے لیے رکھیں، حتیٰ کہ چاند و سورج کی گردش بھی انسان ہی کے لیے ہے، اللہ نے اس کو تسخیر کے لفظ سے بیان فرمایا ہے کہ ہم نے تمہارے لیے سورج اور چاند کو مسخر کیا، یہ سب چیزیں تمہارے لیے مسخر کیں، یہ تمام چرند و پرند انسان کی ضرورت کے لیے پیدا کئے گئے ہیں، یوں نہیں ہے کہ ایک مخلوق یہ پیدا کر دی گئی، دوسری یہ کر دی گئی، جہاں بہت ساری مخلوقیں پیدا کی گئیں ان میں ایک انسان بھی پیدا کر دیا گیا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو مرکزی حیثیت دی گئی، اور ان ساری مخلوقات کو انسان کے تابع بنایا گیا، تاکہ یہ اس کی ضرورت کو پورا کریں، اور اللہ نے زمین کے اندر ان سب چیزوں کے خزانے رکھ دیئے جس کی اس کو ضرورت پڑ سکتی ہے، چنانچہ سائنس داں برابر انکشاف کرتے رہتے ہیں کہ فلاں فلاں چیز نکلی، فلاں طاقت معلوم ہوئی، فلاں سے یہ فائدہ معلوم ہوا، تو وہ اس کو محض معلوم کر لیتے ہیں، لیکن ان چیزوں کو پیدا نہیں کرتے، اسی لیے ان کے یہ انکشافات جبھی ممکن ہیں جب کوئی چیز موجود ہو۔

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا یہ نظام ہے کہ انسان کی جو کچھ ضرورت ہو سکتی ہے، اس کی صحت، اس کی بقاء کے لیے اور اس کی طاقت کو قائم رکھنے کے لیے اور اس کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو پہلے ہی اس زمین کے اندر رکھ دیا ہے، کیونکہ ایک انسان کی ضرورت کو اس کے رب سے زیادہ کون جان سکتا ہے، اسی نے سب کو بنایا ہے اور انسان کو بھی بنایا ہے، تو انسان کی ہر چیز اللہ کے علم میں ہے، اس لیے اس نے انسان کی ضرورت کی ہر چیز زمین کے اندر محفوظ کر دی ہے، انسان ان اشیاء سے وقتاً فوقتاً فائدہ اٹھاتا رہتا ہے، لیکن غور کی بات یہ ہے کہ یہ سب صرف یوں ہی تفریحاً نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کو ایک ایسی مخلوق پیدا کرنی تھی جس سے وہ اس دنیا میں کام لے، اس سے وہ فریضہ انجام دلوائے جو صحیح معیاری زندگی کا فریضہ ہے، جس میں بنیادی بات انسان کا اپنے مالک کو پہچاننا اور اس کا شکر گزار ہونا ہے، اس کی شکر گزاری کا طریقہ اختیار کرنا ہے، اور ایک اچھا صالح انسان بننا ہے، انسان ہونے کی حیثیت سے بہتر سے بہتر انسان بننا ہے، یہ بھی قدرت کا کمال ہے کہ اس نے انسان کے مزاج میں وہ ساری خصوصیات رکھ دی ہیں جو اس کو بہتر بنانے کے لیے کارآمد ہو سکتی ہیں، اور ان کے ذریعہ سے انسان بہتر سے بہتر انسان بن سکتا ہے، فرشتوں پر بھی فائق ہو سکتا ہے، اس لیے کہ وہ وہ خدمت انجام دیتا ہے جو دوسری مخلوقات نہیں دے سکتیں، کیونکہ زمینی مخلوقات صرف انسان کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے ہیں، ان کا اپنا کوئی مقصد نہیں، ان میں سے بعض سواری کے لیے ہیں، بعض گوشت کے لیے ہیں، بعض اون کے لیے ہیں، اور جو بھی ان سے فائدے حاصل ہوتے ہیں ان کے لیے ہیں، اس کا بھی زیادہ علم اللہ ہی کے پاس ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو فرشتوں کے مقابلہ میں جس چیز پر خصوصیت و امتیاز بخشا وہ علم ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم عطا فرمایا، اس کی خصوصیت عطا فرمائی، اور فرشتوں سے بتایا کہ یہ ان کی خصوصیت ہے، اور یہ اس لیے بتایا کیونکہ فرشتوں کو ایک نئی مخلوق کے پیدا کئے جانے پر تعجب ہو رہا تھا، فرشتوں نے کہا تھا ہم سب آپ کی عبادت کرتے ہیں، یہ نئی مخلوق کیا کرے گی، اس کا کیا کام ہوگا؟ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تم نہیں جانتے۔ علم کی خصوصیت کا مطلب

یہ ہے کہ علم حاصل کیا جائے اور اس سے کام لیا جائے، اس کا طریقہ بھی اللہ تعالیٰ نے انسان کو سکھا دیا، اس کے مزاج اور طبیعت میں یہ صلاحیت رکھ دی کہ علم کو حاصل کرے اور اس سے فائدہ اٹھائے، اور اسی بنیاد پر اس کو اختیار کی صلاحیت سے بھی نوازا، جس کا مطلب یہ ہے کہ انسان علم حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور علم کو استعمال کرنے کے کام بھی کرے گا، اور اگر اختیار نہ ہوتا تو یہ کام انجام پانا بھی مشکل ہوتا، اس لیے کہ اگر اختیار نہ ہوتا تو اللہ جو چاہتا انسان وہی کرتا چلا جاتا، اس لیے انسان کو اللہ نے اختیار دیا، اور یہی اختیار انسان کے لیے بہت بڑی ذمہ داری بن گیا، قرآن مجید میں اسی ذمہ داری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو زمین و آسمان اور پہاڑوں کے سامنے رکھا کہ کیا تم اس ذمہ داری کو اٹھا سکتے ہو؟ پہاڑوں نے جواب دیا: ہمارے بس کا نہیں ہے، لیکن جب انسان سے اس کے بارے میں کہا گیا تو اس نے کہا کہ ہم اٹھالیں گے، کیونکہ انسان میں اللہ نے وہ خصوصیات رکھ دی ہیں جن سے وہ اس ذمہ داری کو اٹھا سکتا ہے، لیکن انسان کا یہ کہنا کہ ''اس ذمہ داری کو اٹھالیں گے'' یہ کچھ جلد بازی تھی، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو ''ظلوم و جھول'' کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے، یعنی انسان جلدی بے قابو ہو جاتا ہے اور جلدی فیصلہ کر دیتا ہے، کیونکہ یہ ذمہ داری ایسی چیز تھی کہ جس کو اٹھانے سے پہاڑوں نے انکار کر دیا، مگر انسان نے رضا مندی کا اظہار کیا، لیکن جب اس ذمہ داری کو اٹھانے کے لیے ''ہاں'' کر دی ہے تو ہمارا فریضہ یہ ہے کہ اس کو نبھائیں، اور وہ اس طرح کہ ہم ایک صالح انسان بن کر دکھائیں، اللہ کی مرضی کو نافذ کریں، بہتر خصوصیات، بہتر اعمال اختیار کریں، اور اللہ تعالیٰ کی مشیت کو نافذ کریں، جس کا اللہ نے انبیاء کے ذریعہ سے اظہار بھی فرمایا ہے۔

واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو ذمہ داری دی ہے، اس کو جو احکام دیئے ہیں وہ سب وہ ہیں جن کو وہ کر سکتا ہے، نہ کر سکنے والے احکام نہیں دیئے ہیں، اسی طرح یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کو اس بات کی بذات خود کوئی ضرورت نہیں کہ انسان نیک بنے، انسان نیک بنے یا بد بنے اس میں اللہ کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ اس کو ان سب چیزوں کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے، اس کی تو بے شمار مخلوقات ہیں، فرشتوں کی ان گنت تعداد ہے، سب اللہ کی عبادت میں لگے ہیں، کوئی چیز ایسی نہیں جو اللہ کی عبادت میں نہ لگی ہو، پرندے چرندے سب اللہ کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں، البتہ ان کی عبادت کے طریقے الگ ہیں، اور ہمارا طریقہ الگ ہے، انسانوں کے لیے بھی اللہ نے مختلف طریقے رکھے، بنی اسرائیل کی عبادت کا طریقہ دوسرا تھا، ان سے پہلے کی قوموں کا الگ تھا، کسی کے یہاں صرف قیام تھا، کسی کے یہاں رکوع تھا، کسی کے یہاں سجدہ تھا، لیکن اس امت کے لیے اللہ نے ایسی شریعت عطا فرمائی جو جامع شریعت ہے، اس میں جو عبادت رکھی اس میں قیام بھی ہے، رکوع بھی ہے، سجدہ بھی ہے، قعدہ اور جلسہ بھی ہے، گویا اس امت کو اللہ نے ساری امتوں کا خلاصہ، ساری امتوں کا مجموعہ اور ایک معیار اعلیٰ بنا دیا، اسی لیے شریعت اس امت پر مکمل کر دی گئی، اور حضور ﷺ کی نبوت کے بعد کسی کی نبوت کی ضرورت باقی نہیں رہی، آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنانا بھی محض کسی اعزاز و شرف سے نوازنے کے لیے نہیں تھا، بلکہ دین کو آپ پر مکمل کیا، اس لیے آپ کے بعد کسی دوسرے نبی کے آنے کی ضرورت باقی ہی نہیں رہی، دنیا کا بھی یہی دستور ہے کہ جب کوئی کام کسی کے ذریعہ سے صحیح طریقہ پر انجام پا رہا ہو تو اس میں کوئی دوسرا نیا آدمی لگانے کی ضرورت نہیں ہوتی، اسی طرح آپ پر شریعت مکمل کرنے کی وجہ یہی ہے کہ حضور ﷺ کی امت کے لیے آپ پر اللہ تعالیٰ نے شریعت کو جامع شریعت بنا دیا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی مشیت کو نافذ کرنا اور بہترین خصلتوں اور بہترین صفات کا انسان بننے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر عائد کی، اب انسان نے ذمہ داری تو اٹھالی کیونکہ اس میں اٹھانے کی صلاحیت بھی تھی، لیکن اس نے اس ذمہ داری کی عظمت، اس کے وزن پر غور نہیں کیا، اور اگر غور کر لیتا تو کچھ دیر کے لیے جھجکتا کہ واقعی یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کو نافذ کرنا، اپنے کو صالح ترین مخلوق بنانا یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے، اس میں عزم و حوصلہ اور اپنی طبیعت پر پوری طرح قابو پانے اور توازن کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ ان صفات کو اپنے نبی میں پوری طرح پیدا فرماتا ہے اور پھر اس کی نگرانی اور سرپرستی فرماتا ہے، اسی لیے آپ ﷺ معصوم تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پوری حفاظت ہو رہی تھی کہ بحیثیت انسان آپ سے کہیں ایسی بات سرزد نہ ہو جائے جو انسان کی بات ہے۔

کامیاب زندگی کے تین اصول

مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ اس بندہ پر رحم فرمائے جس نے میری بات سنی اور اسے (بغیر کسی کمی یا زیادتی کے) دوسروں تک پہنچایا، تین باتیں ایسی ہیں کہ (ان کے ہوتے ہوئے) مسلمانوں کا دل فریب نہیں کھاتا:

۱:-عمل کو اللہ کے لیے خالص کرنا۔۲:-مسلمانوں کے رہنماؤں کے ساتھ خیر خواہانہ سلوک کرنا۔۳:-مؤمنین کی جماعت سے الگ نہ ہونا۔ کیونکہ ان کی دعائیں ان لوگوں کو بھی اپنے دامن میں لے لیتی ہیں، جو ان کے پیچھے ہوتے ہیں، جس شخص کا مقصد ونیت (صرف) دنیا طلبی ہوگی، اللہ تعالیٰ فقر وفاقہ (کا خوف) اس پر مسلط کردے گا، اس کی جائداد کو پراگندہ کردے گا، اور ملے گا اسے اتنا ہی جتنا مقدر ہو چکا ہے، اور جس شخص کا مقصد ونیت آخرت طلبی ہوگی اللہ تعالیٰ اس کے دل کو غنی کردے گا، اور اس کی جائداد کی نگہداشت کرے گا، اور دنیا ذلیل وخوار ہو کر اس کے قدموں پر گرے گی۔ (مسند احمد)

اس حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رحم فرمائے اس شخص پر جو میری بات سنے اور دوسروں تک پہنچائے، ایسے پہنچانے والے شخص کو رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام کی بڑی دعائیں ہیں، ایک روایت میں آپ ﷺ نے دعا دی کہ اللہ اس شخص کو سرسبز وشاداب رکھے، جو میری حدیث سن کر اس کو یاد کرلے اور اس کو دوسروں تک اسی طرح سے پہنچا بھی دے جس طرح سنا تھا، دعا کی یہی تاثیر ہے کہ حدیث شریف سے اشتغال رکھنے والوں کے چہروں کو اگر دیکھا جائے تو ان کے چہرے بڑے پرنور ہوتے ہیں۔

الغرض اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں اگر انسان ان کو اپنے اندر پیدا کرلے اور اس کے لیے کوشاں رہے، تو پھر اس کا دل میل سے پاک ہو جائے گا، لیکن چونکہ عموماً ان تینوں چیزوں کی پابندی نہیں ہوتی اس لیے یہی میل بسا اوقات انسان کو غلط چیزوں پر آمادہ کرتا ہے، اور پھر اسی میل کی کوکھ سے حسد، کینہ، بغض، تحقیر، تکبر، گھمنڈ، عجب جیسی تمام بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، لیکن اگر حدیث میں مذکورہ بالا تینوں چیزوں کی پابندی کی جائے تو اس سے بچنا ممکن ہوگا۔

(۱) انسان کا اپنے ہر عمل کو اللہ کے لیے خاص کرنا کہ جو بھی کچھ کرے وہ اللہ ہی کے لیے کرے، اور ہر کام کی ابتداء سے پہلے اپنی نیت کو چیک کرلے کہ ٹھیک ہے یا نہیں؟ عموماً لوگ تو دنیوی مشینوں کو بھی جب چلاتے ہیں تو پہلے چیک کرلیتے ہیں کہ اندر سے ٹھیک ہیں یا نہیں، اگر ٹھیک ہوتی ہیں تو کام آگے بڑھایا جاتا ہے، ورنہ پہلے اس کے اندر کے پرزوں کو درست کیا جاتا ہے، اسی طرح ہم سب کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم ہر عمل سے پہلے اپنے نفس کا جائزہ لے لیں کہ نیت درست ہے یا نہیں؟

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا اس سلسلہ میں قابل تقلید معمول ہے، آپ جہاں بھی دینی کام سے تشریف لے جاتے تو سب سے پہلے اپنی نیت کا استحضار کرلیتے کہ درست ہے یا نہیں، تب تشریف لے جاتے، اسی لیے حضرت مولاناؒ کا معاملہ ہر جگہ صحیح رہتا تھا، اور اللہ ان سے بڑی بڑی باتیں ادا کراتا تھا، لیکن چونکہ ہم لوگ اپنی نیت درست نہیں کرتے ہیں اس لیے معاملہ بگڑ جاتا ہے، لہٰذا پہلے ہر جگہ اور ہر معاملہ میں نیت گھر ہی سے درست کرکے اللہ کو راضی کرنے کے استحضار کو قائم کرکے نکلنا چاہیے، تو پھر اس کا اچھا نتیجہ دنیا اور آخرت میں سامنے آئے گا، یہاں تک کہ ہم جس قدر نیت درست کرتے جائیں گے اتنا ہی ہمارا معاملہ اچھا ہوتا چلا جائے گا۔

(۲) دوسری بات یہ فرمائی کہ جو اہل اسلام کے ذمہ داران ہیں ان کے ساتھ خیر خواہی کا معاملہ اختیار کیا جائے، کیونکہ خیر خواہی بہت اہم چیز ہے، خیر خواہی کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان دوسرے انسان کے لیے ہمہ وقت بھلا چاہے، کیونکہ جب آدمی کسی کے لیے بھلا چاہتا ہے تو پھر اچھا معاملہ کرتا ہے۔

لیکن اس خیر خواہی میں بہت سے درجات ہیں، مختصراً خیر خواہی کا مطلب یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ انسان جس جگہ محل کے اعتبار سے جس چیز کو لوگوں کے حق میں مناسب سمجھے اس کو انجام دے، مثلاً: کہیں کسی کو کسی چیز سے روکنا ضروری ہے تو روک کر خیر خواہی

کرے، کوئی تمہارے دیکھنے ہی سے خوش ہوسکتا ہے تو اس کی طرف اچھی نگاہ سے دیکھ لے، کسی کے گھر جانے سے اس کی ہمت افزائی ہوسکتی ہے تو چلا جائے، وغیرہ وغیرہ۔ غرض کہ جہاں بھی جیسی ضرورت پیش آئے ویسا کیا جائے، یہ خیر خواہی ہے۔

لیکن آج کل ایک چیز اور چل پڑی ہے وہ ہے مس گائڈ، جو کہ خیر خواہی کے بالکل خلاف ہے، یعنی کوئی مجبور یا بھٹکا ہوا انسان اگر کسی سے آج کے زمانہ میں راستہ معلوم کرتا ہے تو آج کل کے نوجوان اس کو الٹا راستہ بتا کر خوش ہوتے ہیں، تاکہ وہ شخص پریشان ہوکر پھر دوبارہ ادھر ادھر معلوم کرتا رہے، یہ بڑے خطرے کی بات ہے جو کہ خیر خواہی کے بالکل مخالف بھی ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ ہر مسلمان کو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ وابستہ رہنا چاہیے، جماعتوں، پارٹیوں، برادریوں میں تقسیم نہیں ہونا چاہیے، بلکہ تمام مسلمانوں کو ایک جماعت تصور کرنا چاہیے، لیکن اگر کوئی مسلمانوں میں بھی مختلف جماعتیں پیدا کرتا ہے تو یہ چیز بالکل غیر اسلامی ہے، اس کا اسلام سے ادنیٰ درجہ کا بھی تعلق نہیں ہے، کیونکہ اسلام میں جماعت صرف ایک ہے وہ ہے ''مسلمان کی جماعت''، اس کے علاوہ عہد صحابہ سے لے کر آج تک کسی جماعت کا ثبوت نہیں ہے، اسی لیے ہمارے حضرت مولانا الیاس صاحبؒ نے بار بار یہ کہا کہ ''دیکھو اس کام کو جماعت مت بنانا''، کیونکہ یہ جماعت کا تصور بالکل غلط ہے، اور اگر کسی کے ذہن میں اس کا خیال موجزن ہوجاتا ہے تو پھر اس شخص کا اسلام سے کوئی تعلق بھی نہیں رہتا، لہٰذا ہر مسلمان جماعت میں شامل ہے، چاہے جو مسلمان ہو، جیسا بھی ہو، کالا ہو یا گورا ہو، لنگڑا ہو یا لولا ہو، غرض جیسا بھی ہو لیکن اگر مسلمان ہے تو وہ مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہے اور اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے یعنی اللہ کی معیت جماعت کو حاصل ہے، تمام مسلمانوں کو اجتماعیت کے ساتھ رہنے میں یہ بھی فائدہ ہے کہ جب ایک ساتھ رہیں گے تو سب کی دعائیں ایک دوسرے کو اپنے جلو میں لیے رہیں گی۔

ان تینوں نکات کے بیان کے بعد حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ جس کی نیت دنیا طلبی کی ہوتی ہے یعنی اس کے دل کا تعلق دنیا سے گہرا ہوتا ہے، یہاں تک کہ جو بھی کام کرتا ہے تو دنیا کے لیے ہی کرتا ہے، تو ایسے شخص کے لیے اللہ فقر و فاقہ کا ہوّا کھڑا کر دیتا ہے، اور وہ ہر وقت اسی سوچ میں رہتا ہے کہ کسی طرح سے دنیا اس کو زیادہ سے زیادہ حاصل ہوجائے، حالانکہ دنیا کو تو صرف بقدر ضرورت حلال کمائی کے ساتھ حاصل کرنا چاہیے، معلوم یہ ہوا کہ اس طرح کی دنیا طلبی والی نیت مطلوب و مقصود نہیں، اسی لیے رسول پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کی طرف اشارہ بھی فرمادیا، کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ سارے کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں، اگر اس کی مرضی شامل حال ہے تو کم میں بھی برکت ہوجائے گی ورنہ زیادہ ہوکر بھی بہت نہیں ہوسکتا، لہٰذا جو اللہ سے تعلق رکھے گا اس کا کام یقیناً بن جائے گا، اور آج جن کا کام ہزار کوششوں کے باوجود بھی نہیں بن رہا ہے اس کا راز یہی ہے کہ انہوں نے اللہ کو رازق حقیقی نہیں سمجھا ہے۔

آخر میں فرمایا کہ جو آخرت کو مدنظر رکھتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غنا پیدا فرمادیتا ہے اور اس کا ہر کام بھی بن جاتا ہے، یہاں تک کہ دنیا اس کے قدموں میں ناک رگڑ کر آتی ہے، حالانکہ پہلے والے شخص کے بارے میں یہ فرمایا جو صرف دنیا ہی کی طلب میں رہتا ہے تو دنیا اس کو اتنی ہی ملتی ہے جتنی اس کی مقدر ہے، لیکن یہاں یہ حال ہے کہ دنیا اس کے قدموں پر آتی ہے، اور اس کے جوتوں میں آتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پاس کوئی صاحب تحفہ لے کر آئے، مولانا نے قبول کرنے سے منع کردیا، اس نے بہت اصرار بھی کیا، لیکن مولانا نے قبول نہیں کیا، الغرض وہ بندہ اپنے تحفہ کو مولانا کی جوتیوں میں رکھ گیا، بعد میں جب مولانا نے جوتا پہنا تو ایسا محسوس ہوا کہ جوتے میں کچھ رکھا ہوا ہے، تو مولانا نے جوتا جھاڑنے کے لیے جب ہاتھ میں اٹھایا تو دیکھا وہی ہدیہ جو وہ شخص دے رہا تھا اور انہوں نے قبول نہیں کیا تھا جوتے میں رکھا ہوا ہے، مولانا نے فرمایا: اسی لیے حدیث میں آتا ہے کہ اگر تم دنیا سے رُوگردانی کروگے تو دنیا ناک رگڑ کر تمہاری جوتیوں میں آئے گی، لہٰذا آج دیکھا جاسکتا ہے کہ اللہ نے دنیا کو میرے جوتے کے اندر پہنچادیا ہے، لیکن جو لوگ اس کے پیچھے پڑے رہتے ہیں تو پھر وہ آگے آگے بھاگتی ہے، اور اسی طرح پوری زندگی گزر جاتی ہے، لیکن دنیا اس کی پکڑ میں نہیں آتی، لیکن اگر کوئی دنیا کے پیچھے نہ بھاگے تو یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ پھر دنیا اس کے قدموں میں خود بخود آجاتی ہے۔

سیرت نبوی ﷺ

گذشتہ سے پیوستہ

قرآن کریم کے آئینہ میں

بلال عبدالحی حسنی ندوی

فیصلہ کن: نبی اکرم ﷺ کی اتباع ایمان کی علامت ہے، اور آپ کا اسوۂ حسنہ تمام انسانوں کے لیے روشنی کا مینار ہے، تمام ایمان والوں کو یہ لازم ہے کہ وہ ہر حال میں آنحضور ﷺ کی بات مانیں، آپ کی پیروی کریں اور اپنے دلوں اور دماغوں کو ان مبارک احکامات کے لیے ایسا ڈھال لیں کہ خواہ ظاہری طور پر کتنا ہی نقصان نظر آتا ہو، دنیا کی دولت وعزت رخصت ہوتی ہوئی نظر آتی ہو، لیکن فرمان رسالت کے آگے ہر چیز ہیچ ہو، اور جب بھی آپ ﷺ کا حکم سامنے آجائے سر تسلیم خم کردیا جائے، اور دل ودماغ کو اس پر پوری طرح مطمئن کرلیا جائے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء: ٦٥) (بس نہیں آپ کے رب کی قسم وہ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ بنالیں پھر آپ کے فیصلہ پر اپنے جی میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور پوری طرح سر تسلیم خم کردیں)

آپ کا ہر فیصلہ حقیقت میں فیصلہ الٰہی ہے، آپ ﷺ کو حکم دیا جارہا ہے کہ ﴿وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ﴾ (المائدۃ: ٤٩) (اور آپ تو ان کے درمیان جو اللہ نے اتارا اس کے مطابق ہی فیصلہ کرتے رہیے)

متعدد مواقع ایسے آئے کہ مشرکین مکہ نے اور پھر منافقوں نے چاہا کہ وہ آپ ﷺ سے اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ کرائیں مگر اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو بذریعہ وحی حقیقت سے آگاہ فرمادیا، اور لوگوں کی چرب زبانی ان کے کچھ کام نہ آسکی۔

آنحضور ﷺ کی حیات طیبہ میں آپ براہ راست فیصلے فرماتے تھے، اور اس کو ماننا اور اس کے مطابق عمل کرنا، سننے والوں پر لازم تھا، اگر کوئی اس سے انحراف کرتا تو اس کے نفاق کی کھلی علامت سمجھی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ارشادات کو فیصلہ کن قرار دیا، اور ان پر شرح صدر کے ساتھ عمل کو ضروری فرمایا، آیت شریفہ میں بڑی تاکید کے ساتھ قسم کھا کر یہ بات فرمائی جارہی ہے ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (بس ہرگز نہیں، ان کے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہوسکتے جب تک کہ اپنے نزاعات میں آپ سے فیصلے نہ کرائیں)

آیت کا شان نزول جو بھی ہو اس میں جو حکم دیا جارہا ہے ہر شخص کے لیے اور قیامت تک کے لیے، آپ ﷺ کی مبارک سیرت، آپ کے ارشادات، آپ کی سنن فیصلہ کن ہیں، ان کے مطابق عمل کرنا ہر مسلمان کی ذمہ داری ہے۔

اجتماعی زندگی میں اختلافات کا پیدا ہونا عام بات ہے، مزاجوں کا فرق، خیالات وافکار کا مختلف ہوجانا تعجب کی بات نہیں، لیکن اس میں جب دولت وعزت کی ہوس گھر کرلیتی ہے تو جھگڑے بڑھتے ہیں، بات گالی گلوج تک اور کبھی قتل وغارت گری تک پہنچ جاتی ہے، جب کہ حدیث میں ہے کہ "سباب المسلم فسوق وقتاله كفر" (مومن کو گالی دینا گناہ کی بات ہے اور اس سے قتال کرنا کفر ہے) اس کے باوجود اچھے اچھے دینداروں میں یہ برائیاں پیدا ہوجاتی ہیں اور کبھی دین کا لیول لگا کر یہ سب کام کئے جاتے ہیں، اور اپنی بات کی پچ کی جاتی ہے، اور کچھ ایسے بھی نافرمان ہوتے ہیں جو کھلے عام شریعت کی نافرمانی کرتے ہیں، اور اپنی دولت اور عزت بڑھانے کے لیے ہر طرح کے سچ، جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں، اور دوسروں کی عزت لینا چاہتے ہیں یا دنیا کے حصوں کے لیے دوسروں کا حق مارتے ہیں، اور لڑتے جھگڑتے ہیں۔

آیت شریفہ میں ہر قسم کے لوگوں کو ہدایت دی جارہی ہے جب بھی جھگڑے پیدا ہوں تو اس کا فیصلہ آنحضور ﷺ فرمائیں گے، آپ کی سیرت فیصلہ کن ہوگی، جو قیامت تک زندہ رہے گی، آپ ﷺ کا ہر طرز عمل، ہر ارشاد اور ہر تعلیم زندہ ہے، اور قیامت تک کے لیے اللہ نے اس کے تحفظ وبقاء کا فیصلہ فرمادیا ہے، وہ سب کے لیے رہنما اور فیصلہ کن ہے، ہر مسئلہ میں وہ چھوٹا ہو یا بڑا، انفرادی ہو یا اجتماعی، اس کا تعلق گھریلو جھگڑوں سے ہو یا اجتماعی اختلافات سے جو جھگڑوں تک

پہنچ جاتے ہیں، ان تمام مسائل میں فیصلہ آپ ﷺ کا ہی چلے گا، یہی ایمان کی علامت ہے اور یقیناً آپ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کی سیرت، آپ کی سنت، آپ کے ارشادات وتعلیمات ہی فیصلہ کن ہیں، البتہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنے مزاج وفکر کو آنحضور ﷺ کے مزاج وفکر میں اور آپ ﷺ کے طریقہ کار میں ڈھالا جائے اور سیرت کا اس نظر سے مطالعہ کیا جائے کہ اس کا کوئی گوشہ تشنہ نہ رہے، اور اس کی روشنی میں اپنے جھگڑوں کا تصفیہ کیا جائے، ورنہ ایمان کا محض دعوی کافی نہیں، اللہ تعالیٰ نے بات بالکل صاف کردی کہ جب تک آپ ﷺ کے احکامات اور آپ کے فیصلوں پر پورا اطمینان نہ ہوجائے اور دل ودماغ کو اس پر مطمئن نہ کرلیا جائے اس وقت تک ایمان مشتبہ ہے، ﴿وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ کے الفاظ پکار پکار کر کہہ رہے ہیں، صرف زبان سے کہہ دینا کافی نہیں، بلکہ اس کے لیے جھک جانا، سر تسلیم خم کردینا اور اس پر پرسکون ہوجانا ضروری ہے۔

ایک دوسری آیت میں پوری وضاحت کردی گئی ہے کہ ایک ایمان والا مرد ہو یا عورت وہ اپنا اختیار اللہ کے رسول ﷺ کے حوالہ کرچکا، اب خود اس کو کوئی اختیار باقی نہیں رہا، جو بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم ہو اس کے مطابق بہرصورت عمل کرنا ہے، ورنہ جو نافرمانی پر آمادہ ہوجاتا ہے تو اس کو سخت گمراہ کہا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا﴾ (الأحزاب: ٣٦) (اور جب اللہ اور اس کے رسول کسی معاملہ میں فیصلہ کردیں تو پھر کسی مومن مرد یا مومن عورت کے لیے گنجائش نہیں کہ وہ اپنے معاملہ میں بااختیار رہیں اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا)

مسئلہ عقائد کا ہو، عبادات کا ہو یا معاملات ومعاشرت کا ہو، شادی بیاہ کا ہو، خوشی کا ہو، یا غمی کا، ہر مسئلہ میں رجوع کرنا ہوگا اور آنحضور ﷺ کے احکامات کو دیکھنا ہوگا اور اس کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنا ہوگا، نفس کے تقاضے ایک طرف، عرف وعادت اور رسم ورواج ایک طرف، لیکن جب بھی سامنے اللہ کے رسول ﷺ کا حکم آجائے، یہ ہے ایمان کا تقاضہ بلکہ ایمان کی علامت ہے، کتنا ہی ظاہر میں نقصان نظر آتا ہو، مگر ہوگا وہی جو آپ ﷺ کا فرمان ہو، جب زندگی میں یہ رنگ آجائے گا تو ایمان پختہ ہوجائے گا، پھر کوئی اس کی بولی نہیں لگا سکتا، یہی ہر مسلمان کی شان ہے، اور یہی اس کی پہچان ہے، اور یہی اللہ کا فرمان ہے۔

محبت: اطاعت سے محبت پیدا ہوتی ہے اور محبت کا تقاضا اطاعت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، عربی شاعر کہتا ہے:

ان المحب لم يحب مطيع

یقیناً چاہنے والا اپنے محبوب کی اطاعت کرتا ہے، اور ہر شخص سمجھتا ہے اور بار بار اس کا تجربہ کرتا ہے کہ جب کسی کی محبت اس کے دل میں گھر کرجاتی ہے تو اس کی ایک ایک ادا اچھی لگتی ہے اور اس پر سو بار جان قربان کرنے کو جی چاہتا ہے، پھر عقل کو تنہا چھوڑ دیا جاتا ہے اور لگام عشق کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔

محبت ہر دل کا تقاضا ہے، جس دل میں محبت کے جذبات نہ ہوں وہ دل حقیقت میں دل کہلانے کا مستحق نہیں، لیکن اس محبت کا محور کون ہو؟ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ﴾ (البقرة: ١٦٥) (اور جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت رکھنے والے ہیں) اور دوسری جگہ فرمایا: ﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ (الأحزاب: ٦) (نبی کا مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق ہے)

ان آیتوں میں محبت کو ٹھکانے لگانے کا گُر بتادیا گیا ہے، دل سب کے پاس ہے، یہ دل اگر اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے لگ جائے تو دل کو وہ محبوب مل جائے جس کی محبت کو فنا نہیں ہے، جس کی محبت ہر مرض کا تریاق اور ہر درد کی دوا ہے، جو ایسی حلاوت ہے کہ اس کی مٹھاس پاکر انسان ایک دوسری دنیا میں پہنچ جاتا ہے، پھر ہفت اقلیم کی بادشاہت اس کے آگے گرد ہوجاتی ہے، اللہ نے اس حقیقی محبت کا حکم فرمایا ہے اپنے محبوب ﷺ کے بارہ میں یہ ارشاد ہے کہ ﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ﴾ جس نبی کے ذریعہ قرآن ملا، ایمان ملا، انسانیت ملی، حیاء ملی، ایثار ملا، درد ومحبت کی حقیقت ملی، جنہوں نے جینا بھی سکھایا اور مرنا بھی، جنہوں نے مولیٰ کی مرضی بتائی، اور جنت کا راستہ کھولا، جو خود رب العالمین کے محبوب، جہانوں کے سردار، نبیوں کے امام ہیں، جن کے حسن کے آگے آفتاب و ماہتاب گرد ہیں، محبت گران سے نہ ہوگی تو کس سے ہوگی؟

نماز کی سنتیں

مفتی راشد حسین ندوی

اصل یہ ہے کہ نماز بالکل اس طرح پڑھی جائے جس طرح آنحضرت ﷺ پڑھا کرتے تھے، اس لیے کہ آپ ﷺ نے اسی طرح نماز پڑھنے کا حکم دیا تھا، یہ نہ دیکھا جائے کہ اس میں کیا فرض ہے، کیا واجب ہے اور کیا سنت یا مستحب ہے، لیکن فقہاء نے دلائل کی بنیاد پر کچھ چیزوں کو فرض یا واجب قرار دیا ہے، جن کی تفصیلات گزر چکی ہیں، اور ان کو چھوڑنے سے یا تو نماز بالکل ہوتی ہی نہیں یا اس کا دہرانا ضروری ہوجاتا ہے، یا سجدہ سہو لازم ہوجاتا ہے، جب کہ کچھ چیزوں کو سنت یا مستحب قرار دیا گیا ہے، جن کو چھوڑنے سے ایسی کوئی بات نہیں ہوتی، لیکن نماز کی پوری برکتیں تبھی حاصل ہوتی ہیں جب ان کا بھی پورے طور پر اہتمام کیا جائے، اب ذیل میں ہم پہلے سنتوں کا ذکر کرتے ہیں:

سنت کا حکم: سنت چھوڑنے سے نہ تو نماز فاسد ہوتی ہے، نہ سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، لیکن جان بوجھ کر چھوڑا جائے تو گناہ ہوتا ہے۔ (شامی: ۱/۳۵۰)

سنتوں کی تعداد: سنتوں کی تعداد فقہ کی مختلف کتابوں میں الگ الگ لکھی ہوئی ہے، مثلاً: الدر المختار میں ان کی تعداد ۲۳/ لکھی ہے، نور الایضاح میں ان کی تعداد ۵۱/ لکھی ہے، بعض کتابوں میں ۲۰/ سنتیں گنائی گئی ہیں، اس اختلاف کی وجہ وہی ہے جو ہم واجبات کے سلسلہ میں نقل کر چکے ہیں، کہ بعض حضرات کئی سنتوں کو ملا کر ایک بیان کرتے ہیں، بعض ان کو کھول کر کئی سنتیں کر دیتے ہیں، اس کے علاوہ بعض افعال کو کچھ علماء سنت شمار کرتے ہیں، جب کہ بعض ان کو مستحب قرار دیتے ہیں، اسی وجہ سے سنتوں کی تعداد میں فرق نظر آتا ہے، لیکن درحقیقت اس کے بارے میں کوئی حقیقی اختلاف نہیں ہے۔ (نور الایضاح: ۷۱، شامی: ۱/۳۵۰)

ذیل میں ہم ۱۵/ سنتوں کا ذکر کر رہے ہیں:

(۱) تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ اٹھانا:

تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھوں کا اٹھانا مسنون ہے، پھر مردوں کے لیے مسنون یہ ہے کہ ہاتھ کانوں کی لو تک اٹھائے، اور عورتوں کے لیے مسنون یہ ہے کہ کندھوں تک ہاتھ اٹھائیں (نور الایضاح: ۷۱)

اس لیے کہ حضرت مالک بن حویرث کی روایت میں ہے: آنحضرت ﷺ جب تکبیر کہتے تھے تو دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے تھے، یہاں تک کہ کانوں کے برابر میں کر لیتے تھے، اور ایک روایت میں ہے کہ کانوں کے اوپری حصہ کے برابر میں کر لیتے تھے۔ (متفق علیہ)

اور بخاری کی ایک روایت میں جو حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے، عورتیں جتنا کم ہاتھ اٹھائیں گی اتنا ہی ان کا ستر زیادہ ہوگا، اسی لیے ان کے لیے کندھوں تک ہاتھ اٹھانا مسنون قرار دیا گیا، جب کہ مردوں کے لیے ابوداؤد کی اس روایت کے مطابق تطبیق دی گئی: ''حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تھے تو دونوں ہاتھوں کو اس طرح اٹھاتے تھے کہ ہاتھ (کلائیاں) کندھے کے پاس ہوتے تھے، اور انگوٹھے کانوں کے برابر ہوتے تھے''۔

(۲) رفع یدین ے وقت ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھنا:

تکبیر کے لیے ہاتھ اٹھاتے وقت انگلیوں کو موڑا نہ جائے، سیدھا رکھا جائے، اور ایک انگلی کو دوسری انگلی سے نہ ملایا جائے، نہ پھیلایا جائے بلکہ اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے، ہاتھ اس طرح اٹھایا جائے کہ دونوں ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہوجائے، نہ تو آسمان کی طرف ان کا رخ ہو، نہ چہرے کی طرف۔ (شامی: ۱/۳۵۱)

(۳) تکبیرات کا زور سے کہنا:

امام کے لیے مسنون یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ (اسی طرح بعد کی تکبیریں، سمع اللہ لمن حمدہ، اور سلام) اتنی آواز سے کہے جس کو مقتدی سن لیں، اگر مقتدی زیادہ ہوں تو جہر بھی اسی اعتبار سے زیادہ کرے، کم ہوں تو بہت زیادہ جہر کرنا مکروہ ہے۔ (شامی: ۱/۳۵۱)

جہاں تک مقتدی اور منفرد کا تعلق ہے تو وہ یہ سب چیزیں آہستہ آواز سے کہے گا۔ (ایضا)

(۴) ہاتھ باندھنا: تکبیر تحریمہ کے بعد مسنون یہ ہے کہ ہاتھ باندھے جائیں، اس کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں

ہاتھ پر اس طرح رکھے کہ چھوٹی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا کر گٹے کو پکڑ لے، اور بقیہ تین انگلیوں کو کلائیوں پر رکھ دے۔ (شامی: ۱/۳۵۹) اس لیے کہ بعض احادیث میں داہنے ہاتھ کو بائیں پر رکھنے کا ذکر ہے، بعض میں داہنے ہاتھ سے بائیں کو پکڑنے کا ذکر ہے، بعض میں ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھنے کا ذکر ہے۔ (دیکھئے: مشکوٰۃ: ۱/۷۵ بحوالہ بخاری ومسلم وترمذی وابن ماجہ)

اور اس طرح کرنے سے بہترین تطبیق ہو جاتی ہے اور سب احادیث پر عمل ہو جاتا ہے۔ (شامی: ۱/۳۵۹-۳۶۰)

جہاں تک دونوں ہاتھوں کو رکھنے کی جگہ کا تعلق ہے تو مردوں کے لیے مسنون یہ ہے کہ دونوں ہاتھ ناف کے نیچے رکھیں جیسا کہ بعض احادیث میں آیا ہے، اور عورتیں ہاتھوں کا حلقہ نہیں بنائیں گی، ان کے لیے مسنون یہ ہے کہ داہنی ہتھیلی کو بائیں ہتھیلی پر اپنے پستان کے نیچے رکھیں۔ (شامی: ۱/۳۶۰، نور الایضاح: ۷۱)

(۵) پھر آہستہ آواز سے پڑھنا مسنون ہے، ثناء پڑھنا امام، مقتدی اور منفرد سب کے حق میں مسنون ہے، اور احناف کے نزدیک ''سبحانک اللھم'' پڑھنا مسنون ہے، اس لیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرماتی ہیں: نبی کریم ﷺ جب نماز شروع فرماتے تھے تو یہ پڑھتے تھے: ''سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالى جدك ولا اله غيرك''. (ترمذی، ابوداؤد) ثناء کے اور بھی بہت سے الفاظ وارد ہوئے ہیں، لیکن احناف کے نزدیک فرائض میں صرف ''سبحانک اللھم'' پڑھنا مسنون ہے، ہاں نوافل میں دوسرے الفاظ والے ثنا پڑھ سکتا ہے۔ (شامی: ۱/۳۶۰)

پھر یہ بھی واضح رہے کہ اگر امام نے قراءت شروع کر دی اور نماز جہری قراءت والی تھی تو اب مقتدی ثنا نہیں پڑھے گا، خواہ وہ مسبوق ہو یا مدرک ہو اور اگر نماز سری قراءت والی تھی تو امام نے قراءت شروع کر دی ہو تب بھی راجح قول کے مطابق ثنا پڑھنا مسنون ہے۔ (شامی: ۱/۳۶۱)

(۶) پھر امام اسی طرح منفرد آہستہ آواز سے ''أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم'' اور ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھیں گے، ان دونوں چیزوں کو چونکہ تلاوت قرآن کریم کی شروعات کے لیے پڑھا جاتا ہے، لہٰذا مقتدی تعوذ وتسمیہ نہیں کرے گا۔ (شامی: ۱/۳۶۱)

تعوذ اور تسمیہ چونکہ تلاوت قرآن کے لیے ہے، لہٰذا امام عیدین کی نماز میں ان دونوں کو تکبیرات کے بعد پڑھے گا، اس لیے کہ قراءت تکبیرات کے بعد کی جاتی ہے۔ (شامی: ۱/۳۶۲)

(۷) پھر جب امام جہری نمازوں میں ''ولا الضالین'' کہے تو خود امام اور مقتدیوں کے لیے آہستہ آواز سے ''آمین'' کہنا مسنون ہے۔ (ایضا)

چنانچہ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو''، اور ایک روایت میں ہے کہ جب امام ''ولا الضالین'' کہے تو آمین کہو، اس لیے کہ جس کی آمین ملائکہ کی آمین سے موافق ہو جائے اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

(۸) رکوع میں مسنون یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کھلا رکھے اور دونوں گھٹنوں کو پکڑ لے، یہ مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے مسنون یہ ہے کہ انگلیاں کھولے بغیر صرف دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ دے، یہ خیال رہے کہ یہاں مردوں کو ہاتھ کی انگلیاں کھولنے کا حکم ہے اور سجدہ میں انگلیاں ملانے کا حکم ہے، بقیہ نماز میں انگلیوں کو اپنے حال میں چھوڑنے کا حکم ہے۔ (شامی: ۱/۳۵۲)

(۹) رکوع میں کم از کم تین بار ''سبحان ربی العظیم'' کہنا مسنون ہے۔

(۱۰) اسی طرح سجدہ میں کم از کم تین بار ''سبحان ربی الاعلیٰ'' کہنا مسنون ہے۔ (شامی: ۱/۳۵۲، نور الایضاح: ۷۲)

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی رکوع کرے اور رکوع میں تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہے تو اس کا رکوع مکمل ہو گیا اور یہ ادنی درجہ ہے اور جب سجدہ کرے اور سجدہ میں تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ کہے تو اس کا سجدہ مکمل ہو گیا اور یہ ادنی درجہ ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، ابن ماجہ)

(۱۱) سجدہ میں جاتے وقت پہلے دونوں گھٹنے، پھر دونوں ہاتھ، پھر چہرہ کا زمین پر رکھنا، اور سجدہ سے اٹھتے وقت اس کے برعکس کرنا۔ (نور الایضاح: ۷۲)

(باقی صفحہ نمبر ۱۵ پر)

بین الاقوامی تعلقات کی نوعیت

قرآن کریم کی روشنی میں

عبدالسبحان ناخدا ندوی

قرآن کریم انفرادی زندگی سے لے کر معاشرتی زندگی تک، تمدنی زندگی سے لے کر بین الاقوامی تعلقات تک اپنی واضح بے غبار ہدایات رکھتا ہے، جن کو اپنا کر انفرادی واجتماعی دونوں سطح پر عزت کی زندگی بسر کی جاسکتی ہے، دنیاوی عزت کی چاہ میں اگر قرآنی ہدایات کو نظر انداز کیا جائے تو پھر عاشقی میں عزت سادات سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا خطرہ ہوسکتا ہے۔

سب سے پہلے یہ بات نظر میں رکھی جائے کہ بین الاقوامی تعلقات کے لیے بھی اللہ کی کتاب نے ایک خاص دائرہ عطا کیا ہے، اس دائرہ کے اندر رہ کر کسی سے کسی بھی سطح پر تعلقات قائم کئے جاسکتے ہیں، لیکن اس دائرہ سے باہر قدم رکھنے کی اجازت نہیں۔

فی الوقت دنیا میں جو قومیں آباد ہیں، ان کی کافی بڑی تعداد یہود ونصاری اور بت پرستوں پر مشتمل ہے، یہود ونصاری سے متعلق یہ قرآنی اعلان ہمیشہ ذہن میں رہے، بلکہ اسے ایک اصول کی حیثیت دی جائے ﴿وَدَّ كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُم مِّن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّاراً حَسَداً مِّنْ عِندِ أَنفُسِهِم مِّن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ﴾ (البقرة: ۱۰۹) (بہت سارے اہل کتاب (یہود ونصاری) کی اپنی اندرونی حسد کی بناء پر یہ خواہش ہے کہ تمہارے ایمان لانے کے بعد بھی تمہیں کافر بنا کر اپنی طرف لے آئیں، حالانکہ ان کے سامنے حق واضح ہو چکا ہے)

عام کفار سے متعلق اعلان یہ ہے، ﴿وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً﴾ (النساء: ۸۹) (وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگ جاؤ تاکہ تم سب برابر ہو جاؤ) بعض کافروں کی خواہش نبی اکرم ﷺ سے کچھ یہ تھی ﴿وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ﴾ (القلم: ۹) (وہ کافر تو یہ چاہتے ہیں کہ کتنا اچھا ہو کہ آپ کچھ ڈھیل دکھائیں تو وہ بھی ڈھیلے پڑ جائیں) تمام مسلمانوں سے متعلق ان کی دبی ہوئی خواہش یہ ہے، ﴿وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ﴾ یعنی ان کی چاہت تو بس یہی ہے کہ تم بھی کافر ہو جاؤ تو کتنا اچھا ہو۔

دوسرا اصول قرآن کریم نے یہ دیا ہے کہ تعلقات خالص انتظامی دشواریوں کو دور کرنے کے لئے قائم ہوں، یہ خشک ضابطہ کے تعلقات ہونے چاہیے، انکو کبھی بھی قلبی گہری محبت کی حیثیت نہ دی جائے، ورنہ ایمان کی متاع عزیز کے لٹتے دیر نہیں لگے گی، ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ (المائدة: ۵۱)

(اے لوگو جو ایمان لائے ہو یہود ونصاری کو گہرے تعلق والا نہ بناؤ، وہ آپس میں ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتے ہیں (بالخصوص تمہارے خلاف) تم میں سے جو بھی ان سے گہری محبت رکھے گا وہ انہیں میں شمار ہوگا، بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا ہے)

آیت نے یہ بتا دیا کہ جو بھی یہود ونصاری سے وابستگی میں اپنے لیے اطمینان پائے وہ ظالم ہے اور اسے کبھی صحیح راستہ نہیں ملے گا، اس دوستی سے وہ جو حاصل کرنا چاہتا ہے وہ چیز اسے کبھی بھی حاصل نہیں ہوگی۔ بہر حال یہود ونصاریٰ سے ایسے تعلقات قائم کرنا جن کے نتیجہ میں اہل اسلام کی ذہنی آزادی سلب ہو رہی ہو کسی غیر اسلامی تہذیب کو فروغ مل رہا ہو، اسلامی روایات پامال ہو رہی ہوں، ان کی خاص قسم کی ذہنی غلامی میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو، حق بات کہنے سے قلب وزبان جھجک رہے ہوں، ان کی بے جا رعایت میں اہل ایمان پر عرصہ حیات تنگ ہو رہا ہو، قرآن پاک کی آیات تک کو بیان کرنے میں ایک ذہنی دباؤ محسوس ہو رہا ہو، زندگی کے ہر میدان میں نگاہیں ان کی طرف اٹھی رہتی ہوں تو اس طرح کے تعلقات کو قائم کرنا یاد رکھنا اللہ کے غضب کو دعوت دینا ہے، یہ کھلی ہوئی ولایت ہے، جس کی اجازت نہ پہلے تھی، نہ آج ہے، نہ آئندہ ہوگی۔

فی الوقت نظام عالم پر ان ہی دو قوموں نے شکنجہ کسا ہوا ہے۔

اور مسلمانوں کی یہ حالت بنادی گئی ہے کہ فرد سے لے کر حکومت تک ہر مسلمان کو گویا اپنے مسلمان ہونے کی صفائی دینی پڑ رہی ہے۔ جعل سازی، جھوٹ اور مکر وفریب اس طرح حقائق کو الٹ رہے ہیں کہ ظالم ظلم پر ظلم کر رہا ہے پھر بھی وہی مظلوم کہا جا رہا ہے اور مظلوم شاید ظلم کی اس چکی میں پس رہا ہے جس سے انوکھی کوئی اور چکی ایجاد نہیں ہوئی ہے، پھر بھی مظلوم کو یہی کہنے پر مجبور ہونا پڑ رہا ہے کہ وہ ظالم نہیں ہے، یعنی مظلوم کو جو سب سے بڑا فراخ دلانہ حق دیا جا رہا ہے وہ یہ کہنے کا حق ہے کہ وہ ظالم نہیں ہے، یہ نہایت کڑے امتحان کا وقت ہے، اس میں ثابت قدمی وہ دن جلد ہی لائے گی جب انصاف کا سورج طلوع ہوگا اور حقیقت پسند انسانوں کی آنکھیں بھی کھل جائیں گی، جن آنکھوں میں اتنی دھول جھونکی جا چکی ہے اب وہاں آنکھیں دکھائی نہیں دیتیں بس دھول ہی دھول ہے۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ تعلقات برابری کی سطح پر یا اپنی سطح کچھ اونچی رکھ کر قائم کئے جائیں۔ لہٰذا جہاں معاملہ قربانی دینے، مشقت اٹھانے اور جدوجہد کرنے کا ہو وہاں صلح کے لیے ہاتھ بڑھا کر طاقتور کے زیر سایہ دبی ہوئی زندگی بسر کرنے کی اجازت اسلام نہیں دیتا۔ اگر یہ چیز درست ہوتی تو پھر آنحضرت ﷺ کو ہجرت کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، وہیں مشرکین سے صلح کر کے مسلمانوں کے لیے مسجد حرام کا ایک کونہ منتخب فرما لیتے، ہاں اگر عالمی طاقتوں کا دباؤ ہو اور چہار طرف سے ہو تو ان سے بچاؤ کے لئے کچھ تدبیریں اختیار کی جاسکتی ہیں، ان ہی تدبیروں کو اللہ رب العزت نے ﴿إِلَّا أَن تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ کہا ہے، لیکن یہ مستقل علاج نہیں ہے، مستقل علاج تو خود عالمی طاقت بننا ہے، افسوس ہے کہ مسلم حکمرانوں کی توجہ اس کی طرف نہ ہونے کے برابر ہے، اس کی وجہ یہی ہے کہ ارباب حکومت نے اقتدار کی ترتیب کچھ یوں رکھی ہے:

۱. اپنی ذات اور کرسی۔ اس کے لیے یہ کسی بھی سطح پر اترنے کے لیے تیار رہتے ہیں، بسا اوقات دین وضمیر کو بیچ دینے میں بھی دریغ نہیں کرتے۔

۲. اپنا ملک۔ اس کے لیے وہ مذہبی اقدار اور دینی غیرت وحمیت کی قربانی کو ایک معمولی چیز سمجھ لیتے ہیں۔

۳. اپنا دین۔ یہ آخری چیز ہے، کبھی کبھی دینی غیرت کے نام پر وہ بھی براہ راست دین کی بنیاد پر نہیں بلکہ قومی غیرت کے تحت ہی وہ کچھ جوش دکھا جاتے ہیں جب تک یہ ترتیب باقی رہے گی انتشار ہمیشہ برپا رہے گا اور مسلمان ممالک عالمی پیمانہ پر اپنا وزن ثابت نہیں کر سکیں گے۔

ایک اصول یہ بھی ہے کہ بین الاقوامی تعلقات کی زد میں دین کا کوئی معمولی حصہ بھی نہ آنے پائے، چاہے فریق مقابل اپنے پورے مذہب کو قربان کرنے کے لیے تیار کیوں نہ ہو، دین اسلام دنیا کے مذاہب کے ساتھ اشتراک اور حصہ داری کے لیے نہیں آیا ہے کہ دوسرے ادیان کے مقابلہ میں اس کا بھی ایک خاص تناسب مقرر کیا جائے، پھر دوسرے مذاہب والے اپنے اپنے دین کا جو حشر کریں اسی نسبت سے اہل اسلام بھی اپنے دین میں کتر بیونت کریں، اور دنیا والوں سے رواداری، فراخ دلی اور روشن خیالی کی داد لیں، یہ ایک انتہائی جاہلانہ اور احمقانہ تصور ہے، بلکہ ایک نہایت خطرناک اور گہری سازش ہے جو دشمنان دین تیار کر رہے ہیں، اس کی پشت پر وہی فلسفہ کام کر رہا ہے جسکی نشان دہی اللہ کی کتاب نے صدیوں پہلے کی تھی، ﴿وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً﴾ ان کی تو یہی خواہش ہے کہ تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگ جاؤ تاکہ سب برابر ہو جائیں، فی الوقت کسی مذہب کے پاس سوائے چند رسموں کے کچھ بچا نہیں ہے، اسی لیے ہر ایک کی نظر اسلام اور اہل اسلام پر لگی ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کو بھی رواداری، روشن خیالی اور فراخ دلی کے نام پر آہستہ آہستہ دین سے برگشتہ کیا جائے، سچی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر بقیہ مذاہب کے لوگ اپنے مذہب کو کوئی حیثیت نہیں دیتے، جہاں کسی سمجھوتہ کی بات آئے وہاں وہ اپنے مذہب کو قربان کرنے لیے تیار رہتے ہیں، مذہب کی حیثیت ان کے نزدیک اگر بہت فراخ دلی سے کہا جائے تو ضروریات زندگی میں سے ایک ضرورت ہے، جیسے کھانا، پینا، کپڑا مکان، تعلیم اور تجارت ہے ویسے ہی ایک خانہ مذہب کا بھی ہے، جس طرح اور ضروریات آگے پیچھے کی جاتی ہیں ویسے ہی مذہب کے ساتھ بھی معاملہ ہوسکتا ہے، لیکن مسلمانوں کے نزدیک دین ومذہب وقت ضرورت کام آنے والی چیز نہیں ہے، اہل ایمان کے نزدیک دین ''سب کچھ'' ہے، اسی کے لیے ان کا وجود ہے، دین

کے بغیر ان کا وجود وعدم وجود دونوں برابر ہیں، ان کی کل قیمت اسی دین مین پوشیدہ ہے، دین ان کے لیے مقصد حیات، آب حیات، درد کا درماں، روح کا سکون، اور معرفت الٰہی کا واحد ذریعہ ہے، اس کے کسی ادنیٰ حصہ سے دستبردار ہونے کا نہ ان کو حق ہے نہ اختیار، یاد رکھنے کی بات ہے کہ دین کی قیمت پر کسی ملک کسی طبقہ اور کسی مذہب سے کوئی سمجھوتہ نہیں ہوسکتا ہے، اس طرح کے سمجھوتہ کی کوشش خود مشرکین مکہ کی تھی، جس کے جواب میں اللہ ربالعزّت نے سورہ ﴿قُلْ یَا اَیُّھَا الْکَافِرُون﴾ نازل فرمائی اور ہمیشہ کے لیے یہ بات صاف کردی کہ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔

اس مبارک سورت سے ان مصلحت پسندوں کی آنکھیں کھل جانی چاہیے جو رواداری اور بھائی چارگی کے نام پر دین میں کتر بیونت کر کے اس کا ایک ملغوبہ تیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اور مختلف وادیوں میں ٹھوکریں کھاتے رہتے ہیں، آخر ان کے پاس صرف رواداری مع مکّاری باقی رہتی ہے اور دین پورا رخصت ہوجاتا ہے۔

واضح رہے کہ رواداری دو طرح کی ہوتی ہے، ایک وہ جس میں انسان مذہب کے دائرہ سے نکل جاتا ہے یا مذہب میں کتر بیونت کو قبول کر لیتا ہے، یہ منافقانہ رواداری ہے جسے مداہنت فی الدین کہتے ہیں جو کسی بھی قیمت پر قابل قبول نہیں ہوسکتی ہے۔

دوسری رواداری وہ ہے جو مذہب کے عطا کردہ اعلیٰ انسانی اقدار کی بنیادوں پر ہوتی ہے، اس میں انسان اپنے مذہب پر مکمل قائم رہ کر دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے اور اسلام نے تمام انسانوں کو جو حقوق دیے ہیں ان کی مکمل پاسداری کرتا ہے، انسانوں کے اس چمن میں سب سے معطر پھول بن کر مہکتا ہے، یہ صحیح معنی میں اسلامی رواداری ہے، جس کی تعلیمات قرآن کریم نے دی ہیں، جس کا سب سے اعلیٰ نمونہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش فرمایا، آپ کے بعد آپ کے سچے جانشین اس پر ہمیشہ کاربند رہے، اس کا نتیجہ ہمیشہ مثبت ظاہر ہوتا ہے، اس طریقہ کو اپنانے پر مسلمان رواداری کے نام پر دوسروں کی گود میں جا نہیں پڑتا، بلکہ غیروں کے سامنے اعلیٰ اسلامی اخلاق کا نمونہ بن کر ان کو اپنی طرف کھینچتا ہے، بین الاقوامی تعلقات میں دراصل یہی رواداری مطلوب ہے۔

بقیہ: نماز کی سنتیں

(۱۲) سجدہ کرتے وقت چہرہ کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھنا مرد کا اپنے پیٹ کو رانوں سے دور رکھنا، اسی طرح کہنیوں کو اپنے پہلو سے دور رکھنا اور کلائیوں کو زمین سے اٹھا کر رکھنا۔

جہاں تک عورت کا تعلق ہے تو وہ پیٹ رانوں سے ملا کر رکھے گی اور ہر چیز میں سمٹی سمٹائی رہے گی۔ (ایضا)

(۱۳) قعدہ میں مرد کے لیے مسنون یہ ہے کہ بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھے اور دایاں پیر کھڑا کرلے اور پیر کی انگلیاں قبلہ کی طرف کرلے جہاں تک عورت کا تعلق ہے تو وہ دونوں پیر داہنی طرف نکال کر بائیں کولھے پر بیٹھ جائے گی۔ (شامی: ۱/۳۷۵)

(۱۴) قعدہ اولیٰ اور قعدہ اخیرہ میں جب ''لا الہ الا اللہ'' کہے تو انگلی اٹھانا مسنون ہے۔ (شامی: ۱/۳۷۵)

(۱۵) قعدہ اخیرہ میں ''التحیات'' کے بعد درود شریف پڑھنا، اور درود شریف کے بعد سلام سے پہلے ماثورہ دعا پڑھنا بھی مسنون ہے۔ (شامی: ۱/۳۵۴)

پیغمبر اسلام کی دعوت

''جب زمین پیاسی ہوتی ہے تو رب السماوات والارض پانی برساتا ہے، جب انسان اپنی غذا کے لیے بے قرار ہوتا ہے تو وہ موسم ربیع کو بھیج دیتا ہے اور جب خشک سالی کے آثار پائے جاتے ہیں تو آسمان پر رحمت کی بدلیاں پھیل جاتی ہیں، عالم انسانیت کی فضا روحانی کا ایک ایسا ہی انقلاب عظیم تھا جو چھٹی صدی عیسوی میں ظاہر ہوا، وہ رحمت الٰہی کی بدلیوں کی ایک عالمگیر نمود تھی جس کے فیضان عام نے تمام کائنات ہستی کو سرسبزی وشادابی کی بشارت سنائی اور زمین کی خشک سالیوں اور محرومیوں کی بدحالی کا دور ہمیشہ کے لیے ختم ہوگیا۔

پیغمبر اسلام کی دعوت اس لیے ہے کہ تمہیں زندہ کردے، غور کرو اس دعوت نے وقت کی تمام مردہ جماعتوں کو کس طرح قبروں سے اٹھا کر زندگی کے میدانوں میں متحرک کردیا تھا اور رسول کی پوری زندگی اسلامی دعوت کا مرقع ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ سیرت نبوی کا نرالا اور انمول پیغام اسلامی دعوت کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے، اس پہلو سے انحراف یا اغماض سیرت نبوی کی حقیقت سے انحراف ہے۔''

مولانا ابوالکلام آزادؒ

گستاخ رسول کی سزا

محمد ارمغان بدایونی ندوی

عَنْ عَلِيٍّ (رضی اللہ عنہ) أَنَّ يَهُودِيَّةً كَانَتْ تَشْتِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَقَعُ فِيهِ، فَخَنَقَهَا رَجُلٌ حَتَّى مَاتَتْ فَأَبْطَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَمَهَا. (أبو داؤد: ٤٣٦٢)

ترجمہ:- حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عورت حضور ﷺ کو گالی گلوج اور آپ کی شان میں گستاخی کرتی تھی، تو کسی شخص نے اس کا گلا گھونٹ دیا، جس سے وہ مرگئی، اور حضور ﷺ نے اس کے خون کو کالعدم قرار دیا۔

فائدہ:- قرآن وحدیث میں متعدد مقامات پر تمام مؤمنین کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ نبی ﷺ کا حق خود ان کی جان و مال اور تمام اشیاء سے بڑھ کر ہے، ارشاد الٰہی ہے ﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ (الأحزاب:٦) (نبی کا مومنوں پر ان کی جانوں سے زیادہ حق ہے) حضور اکرم ﷺ نے اپنے اس حق کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: تم میں سے کوئی اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اس کو تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں، محبوبیت کے اس مقام کے حصول کے لیے قرآن وحدیث میں اس کے آداب بھی بیان کئے گئے ہیں، تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ انسان آپ ﷺ سے محبت کے اظہار میں توحید کی ان اقدار کو نظر انداز کردے، جن پر اسلام کی عظیم عمارت تعمیر ہے، مگر اسی کے ساتھ اس بات کی طرف بھی خاص توجہ دلائی گئی ہے کہ انسان ادنی درجہ میں بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر آپ ﷺ کی شان میں کوئی ایسی گستاخی نہ کر بیٹھے جس سے اس کے ایمان سلب ہونے کا خطرہ ہو، اسی لیے جو لوگ ایذائے نبی جیسے سنگین جرم کا ارتکاب کرتے ہیں، ان کے بارے میں قرآن کا کھلا اعلان ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَعَدَّ لَهُمْ عَذَاباً مُهِيناً﴾ (الأحزاب: ٥٧) (جو لوگ بھی اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان پر دنیا وآخرت میں اللہ نے پھٹکار کی ہے اور ان کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے)

عہد رسالت میں بعض ایسے انسانیت بیزار موجود تھے جو آپ ﷺ کی شان میں گستاخی اور ہجو کرتے تھے، روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے جاں نثار صحابہ نے ان کو اس دنیا میں جینے کا کوئی موقع نہیں دیا، اور حضور اکرم ﷺ نے بھی ان کے اس عمل پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، کیونکہ آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنا صرف ایمان کے خلاف نہیں بلکہ انسانیت سے بھی بغاوت ہے، تاریخ کے اوراق اس کی منھ بولتی تصویر ہیں کہ آپ ﷺ کی بعثت سے قبل دنیا تمدن سے ناآشنا اور جہالت کی گھٹاٹوپ وادیوں میں ٹامک ٹوئیاں مار رہی تھی، آپ ﷺ کی آمد کے بعد دنیا کو انسانیت کا سبق ملا، راہ ہدایت نصیب ہوئی، مگر ان حقائق کے بعد بھی اگر کوئی شخص آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا ہے تو اس کی یہ گندی حرکت اس بات کی غماز ہوگی جس کو قرآن مجید میں نہایت عمدہ اسلوب میں بیان کیا گیا ہے ﴿قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ﴾ (ان کی زبانوں سے بغض پھوٹا پڑتا ہے اور ان کے سینوں میں جو کچھ چھپا ہوا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے)

جس طرح عہد رسالت میں آپ ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے والے یہود یا یہودی قماش کے لوگ تھے، ٹھیک اسی طرح آج بھی وقفہ وقفہ سے ایسے واقعات سامنے آتے ہیں، جن میں یہی یہودی فکر بالواسطہ یا بلاواسطہ کارفرما ہوتی ہے، ایسے گستاخان خدا و رسول کے سلسلہ میں تمام علمائے اہل سنت والجماعت کا موقف یہی ہے کہ اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا جائے، ان کے تناظر میں تمام اہل ایمان کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ اس طرح کے واقعات پر کسی طرح کی مصالحت و چارہ جوئی سے کام نہ لیں، لیکن چونکہ ہمارا یہ ملک ایک جمہوری ملک ہے، اس لیے ضروری ہے کہ ملک کے قوانین کا پاس رکھتے ہوئے ہم مختلف سطحوں پر اپنا احتجاج درج کرائیں، اور حکومت کو ایسے واقعات کے خلاف نہ صرف سخت کارروائی پر آمادہ کریں بلکہ اس سلسلہ میں حکومت کو سخت قوانین وضع کرنے پر مجبور بھی کریں تاکہ آئندہ ایسے واقعات دوبارہ نہ ہوں، کہ ان سے نہ صرف مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں بلکہ عالمی سطح پر حکومت کی شبیہ بھی داغدار ہوتی ہے۔

حقوق العباد کی اہمیت

محمد امین حسنی ندوی

انسان اس رنگا رنگ دنیا میں کسی خاص مقصد کو لے کر آیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جس طرح اپنے حقوق رکھے ہیں اسی طرح اپنے بندوں کے بھی حقوق رکھے ہیں بلکہ حدیث شریف میں یہاں تک آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کی کوتاہی کو معاف کر دیتا ہے لیکن اگر حقوق العباد میں کوتاہی ہوئی تو معاف نہیں کرتا جب تک اس سے معاف نہ کرالیا جائے جس کا حق مارا ہے۔

حقوق العباد یعنی وہ حقوق جو ایک انسان پر دوسرے انسان کے سلسلہ میں عائد ہوتے ہیں، ماں باپ کے حقوق، رشتہ داروں کے حقوق، پڑوسیوں کے حقوق، اساتذہ کے حقوق، طلبہ کے حقوق، ملازمین کے حقوق، خریداروں کے حقوق، مشورہ چاہنے والوں کے حقوق، راستہ پوچھنے والوں کے حقوق، مہمانوں کے حقوق، مسافروں کے حقوق، غرباء کے حقوق، بیماروں کے حقوق، گھر میں کام کرنے والے خادموں اور خادماؤں کے حقوق۔

اسلامی نظام زندگی کا یہ وہ کمال ہے جو دنیا کے کسی بھی نظام میں نظر نہیں آتا، اسلام انسان پر ایک دوسرے کے حقوق عائد کر کے انسانوں کو اس طرح مضبوط کر دیتا ہے کہ اگر واقعی ہر شخص اپنا حقوق ادا کرے اور اپنی ذمہ داری نبھائے تو یہ دنیا امن کا گہوارہ اور الفت ومحبت کا نمونہ بن جائے۔

والدین اولاد کے حقوق ادا کر دیں، تعلیم کا نظم کر دیں، تربیت کا انتظام کر دیں، ان کی حرکات وسکنات پر نظر رکھیں، ان کو غلط راستہ سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

اولاد والدین کی اطاعت وفرمانبرداری کر کے ان کے ساتھ حسن سلوک کرے، خدمت کر کے ان کی دعائیں لے، ان کی ایک ایک خواہش کی تکمیل کو اپنے لئے راہ نجات اور سرمایہ آخرت سمجھے، پڑوسی پڑوسی کا خیال رکھے، رشتہ دار رشتہ دار کی فکر کریں، استاد شاگرد کے ساتھ اچھا معاملہ کرے، شاگرد استاد کا احترام کرے، بیچنے والا ملاوٹ نہ کرے، ناپ تول میں کمی کرے، خریدنے والا نقلی نوٹ اور کھوٹا سکہ چلانے کی کوشش نہ کرے، ملازم اپنی ملازمت کے تئیں پوری دیانتداری برتے، وقت کی پابندی اور کام کی انجام دہی میں ذرا بھی کوتاہی نہ کرے۔

اگر کوئی مشورہ طلب کرے تو اس کو مشورہ دیا جائے، کوئی راستہ پوچھے تو اس کو صحیح راستہ بتایا جائے، علاج کے لئے آئے تو اس کے لئے صحیح دوا تجویز کی جائے، مسئلہ پوچھے مسئلہ بتایا جائے، ہر اس عمل سے بچا جائے جو دوسروں کے لئے نقصان دہ ہو سکتے ہوں، ہر اس اقدام سے باز رہا جائے جو دوسروں کے لئے باعث زحمت ہو سکتا ہو، ہر اس فیصلہ سے پرہیز کیا جائے جسکا نتیجہ دوسروں کے حق میں برا نکل سکتا ہو، باقی آپ غور کرتے جائیں حقوق کی نئی نئی شکلیں سامنے آتی جائیں گی اور آپ کا دل خود ان حقوق کی نشاندہی کرتا چلے گا۔

مسلم شریف کی روایت ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک ایسے شخص کے پاس سے ہوا جو غلہ بیچ رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلہ کے ڈھیر میں اپنا ہاتھ ڈل دیا، اندر سے غلہ بھیگا ہوا تھا، آپ نے غلہ والے سے پوچھا یہ کیا؟ اس نے جواب دیا: بارش ہوئی تھی، بھیگ گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: بھیگا ہوا غلہ ڈھیر کے اوپری حصہ میں کیوں نہیں رکھا تا کہ لوگ دیکھ لیتے۔

ابوداؤد کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: جس نے کسی مسلمان کی پردہ پوشی کی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ پوشی کرے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مسلمان کی ستر پوشی امانت ہے اور اس کے خلاف عمل خیانت ہے۔

آپ ﷺ کی مجلس کے بارے میں آتا ہے کہ وہ علم، حیا، صبر اور امانت داری کی مجلس ہوتی تھی، نہ اس میں کسی کی عیب جوئی ہوئی تھی، نہ کسی کی لغزش کا تذکرہ ہوتا تھا، نہ کسی کا بھید کھلتا تھا، نہ کسی کا راز افشاء ہوتا تھا، نہ کسی پر تہمت لگتی تھی، نہ کسی پر الزام لگتا تھا۔

آپ ذرا ایک نظر ڈالئے اپنی مجلسوں پر، کتنی پگڑیاں اچھلتی ہیں، کتنی دستاریں الٹتی ہیں، کتنی قبائیں چاک ہوتی ہیں اور کتنے دامن تار تار، نام اس کو کچھ بھی دیں، حساب بہر حال ہم سب کو اس کا دینا ہوگا۔

آخرت کی کھیتی

محمد نجم الدین ندوی

دین اسلام میں اس بات کی صراحت کردی گئی ہے کہ انسان اس دنیا میں جو بھی اچھا یا برا عمل کرے گا، آخرت میں اس کی ویسی ہی جزا پائے گا، اچھے اعمال پر ملنے والے اجر وثواب کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا گیا ﴿وَمَن يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا﴾ (النساء: ۱۲۴) (اور جو شخص بھی بھلے کام کرے گا وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو تو وہ لوگ جنت میں داخل کیے جائیں گے اور ذرہ برابر ان کے ساتھ ناانصافی نہ ہوگی) اسی طرح برے اعمال پر ملنے والی سزا کے متعلق ارشاد الٰہی ہے ﴿مَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ﴾ (النساء: ۱۲۳) (جو بھی برائی کرے گا اس کی سزا پائے گا) قرآن مجید کی ان آیات کے علاوہ بھی متعدد مقامات پر اس بات کی تعلیم دی گئی ہے کہ اس دنیا میں انسان جو کچھ بھی کرے گا، آخرت میں اسی اعتبار سے اس کی جزا وسزا کا مستحق ہوگا، روایات کے مضامین سے بھی اس بات کا علم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کے مزاج کو اسی بات پر ڈھالا کہ ہر فرد بشر اس زندگی میں جیسا کام کرے گا، ویسا ہی پھل پائے گا، صحابہ کرام نے اس بات کو اپنے مزاج میں شامل کرلیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر کام میں ان کو آخرت کا استحضار رہتا تھا، اور اس استحضار کا فائدہ یہ تھا کہ ان کا ہر عمل ریا، تکبر، خیانت، جھوٹ، بغض، حسد، کینہ سے پاک ہوتا تھا، کیونکہ ان کو اس بات کا بخوبی علم تھا کہ ہمارا عمل ان مہلک چیزوں کی شمولیت سے خراب ہوگا، اور اس کی عنداللہ وہ وقعت باقی نہ رہے گی، جس کا ایک صاحب ایمان سے مطالبہ ہے، گھریلو معاملات ہوں، یا تجارتی تعلقات، یا میدان جنگ، ہر جگہ ان کو اس بات کا استحضار رہتا تھا کہ ہمارا یہ عمل محض قرب الٰہی اور اخروی زندگی سنوارنے کے لیے ہے، یہ اخروی زندگی کے استحضار ہی کا نتیجہ تھا کہ جب میدان جنگ میں حضرت خالدؓ بن ولید کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ معزول کرتے ہیں، اس کے بعد بھی وہ اسی غیرت ایمانی کے ساتھ میدان جنگ میں جمے رہتے ہیں، جیسے اس سے پہلے تھے، ان کو ذرہ برابر بھی اس بات کا احساس نہیں ہوتا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا، کیونکہ وہ اس سے پہلے بھی محض اللہ کی رضا اور اخروی زندگی میں نیک بختی کے لیے لڑ رہے تھے، اور اس کے بعد بھی، غرض کہ اس کے علاوہ بھی متعدد ایسے واقعات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی زندگی میں ملتے ہیں، جن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی غیر معمولی ترقی کا ایک راز یہ بھی تھا کہ ان کو ہمہ وقت اخروی زندگی کا استحضار رہتا تھا۔

قرآن وحدیث کی اخروی زندگی کے سلسلہ میں تعلیمات، صحابہ کرام کا اس پر عمل اور اس کے نتیجہ میں ان کی غیر معمولی ترقی، اس تناظر میں اگر ہم آج کے معاشرہ پر نظر ڈالتے ہیں، تو معلوم ہوگا کہ آج اس سلسلہ میں قدرے غفلت اور سست روی ہے، ہم اپنے اعمال میں کسی حد تک اس بات کا استحضار نہیں رکھتے کہ روز قیامت میں اس کی جزا وسزا کے بھی ہم مستحق ہوں گے، عموماً عبادات میں یہ نیت شامل ہوتی ہے کہ ہم ''حاجی'' یا ''اللہ والے'' کہے جائیں، معاملات اچھے نہیں ہوتے، اور اگر ہوتے بھی ہیں تو اس میں بسا اوقات کوئی نہ کوئی ایسی بدنیتی رہتی ہے، جس کے سبب وہ عمل بھی اخروی زندگی میں ملنے والی جزا کے اعتبار سے کھوکھلا ہوجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج اس استحضار کے فقدان کے سبب ہمارے معاشرہ میں وہ تمام برائیاں پائی جارہی ہیں، جن کو اسلامی معاشرہ میں گھناؤنی نظر سے دیکھا گیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر اس دنیوی زندگی میں ہر عمل پر ملنے والی جزا وسزا کا عقیدہ باقی نہ رہے تو دنیا میں پھیلتے ہوئے انتشار، بے چینی، بداعتمادی کو کسی بھی حکومت کا کوئی قانون نہیں روک سکتا، آخرت کا تصور ایک ایسا بے لاگ قانون ہے، جس کی موجودگی میں انسان خلوت وجلوت میں ہر عمل کے اندر اس پر ملنے والی جزا وسزا کو دھیان میں رکھتا ہے، اور ان تمام شرور وفتن سے اپنے دامن کو دور رکھنے کی کوشش کرتا ہے، جن سے اخروی زندگی داغ دار ہوتی ہو، قرون اولی کی مثالیں تاریخ میں موجود ہیں کہ ان لوگوں کو اخروی زندگی کے ہمہ وقت استحضار نے رفعتوں کی کن منازل پر پہنچایا، اور آج کے معاشرہ کی صورت حال بھی ہمارے سامنے ہے کہ ہر شخص اخروی زندگی کو بھول کر محض خودغرضی وہوس پرستی کا پتلہ بنا ہوا ہے۔

مسلم ممالک کا فوجی اتحاد

اندیشے-امیدیں

محمد نفیس خاں ندوی

سعودی عرب کی قیادت میں ایک فوجی اتحاد کی تشکیل کا اعلان ہوا ہے جس میں 34 مسلم ممالک شامل ہیں، اس کا بنیادی مقصد آپسی تعاون کے ذریعہ دہشت گردی کا مقابلہ کرنا ہے، اس اتحاد کا مرکزی دفتر سعودی عرب کا دارالحکومت ریاض ہوگا جہاں سے باہمی روابط اور فوجی سرگرمیوں کو کنٹرول کیا جائے گا۔

مسلم ممالک کا یہ پہلا اتحاد ہے جو دہشت گردی کے خاتمہ کے لیے قائم ہوا ہے، خاص کر وہ دہشت گردی جس کی نسبت اسلام اور مسلمانوں کی طرف کی جاتی ہے اور پھر میڈیا کے پروپیگنڈہ سے عالمی سطح پر اسلام کی شبیہ داغدار ہوتی ہے۔ مغربی ممالک میں بھی اس اتحاد کو ایک اہم پیش رفت اور قابل اطمینان اقدام قرار دیا جارہا ہے۔

اس اتحاد کی تشکیل ایسے وقت میں ہوئی ہے جبکہ ایک طرف سعودی عرب حوثی باغیوں سے برسرپیکار ہے اور دوسری طرف مشرق وسطی کا ایک بڑا حصہ خانہ جنگی کی بھینٹ چڑھا ہوا ہے، اس کے علاوہ داعش کی فوجی اور انتہا پسند کارروائیاں بھی تشویش کا باعث بنی ہوئی ہیں۔ سعودی عرب کے نائب ولی عہد اور وزیر دفاع محمد بن سلیمان نے وضاحت کی ہے کہ اس اتحاد کی کارروائیاں صرف مسلم ملکوں تک محدود نہیں ہوں گی بلکہ جہاں کہیں بھی دہشت گردی ہوگی اتحاد وہاں اپنا مؤثر کردار ادا کرے گا۔

جن ممالک کو اس تحاد میں شامل کیا گیا ہے ان میں ایک درجن کے قریب ایشیائی ممالک ہیں جیسے سعودی عرب کے علاوہ بحرین، عرب امارات، قطر، پاکستان، بنگلہ دیش، فلسطین، یمن، مالدیپ، کویت، لبنان، اردن وغیرہ، اس کے علاوہ ترکی بھی ہے جس کا ننانوے فیصد حصہ ایشیاء میں ہے لیکن دارالحکومت یورپ میں ہونے کی وجہ سے اسے یورپ کا حصہ سمجھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ زیادہ تر غریب افریقی ممالک ہیں جیسے سوڈان، صومالیہ، تیونس، مراکش، نائجیریا، لیبیا اور مصر وغیرہ۔

اس اتحاد میں وہ ممالک بھی شامل ہیں جن کے پاس جدید قسم کے بہترین ہتھیار اور تجربہ کار فوج بھی ہے، ان کی شمولیت سے یقیناً اتحاد کو مضبوطی ملے گی، نیز اس میں وہ ممالک بھی شامل ہیں جنھیں برسوں سے جنگ زدہ حالات کا سامنا ہے اور وہاں امن وسلامتی کا فقدان ہے، اس کے علاوہ بعض وہ ممالک بھی ہیں جو اس وقت محض اپنی بقا کی جنگ میں مصروف ہیں۔

جہاں اس اتحاد کا ہر چہار جانب سے خیر مقدم کیا جارہا ہے اور اسے ایک مؤثر پیش رفت سے تعبیر کیا جارہا ہے وہیں کچھ سوالات بھی ابھر کر سامنے آرہے ہیں جن کے جوابات فی الحال غیر واضح ہیں۔ مثال کے طور پر اس اتحاد کی کارروائیاں جن دہشت گرد تنظیموں کے خلاف ہوں گی ان میں مغربی دہشت گرد تنظیمیں بھی شامل ہیں یا نہیں؟ اندیشہ اس بات کا بھی ہے کہ اس اتحاد کے ذریعہ کہیں صرف مسلمانوں کا ہی خون نہ ارزاں ہوجائے اور اس کی شروعات داعش سے ہو، کیونکہ فرانس حملہ کے بعد بظاہر داعش کی ضرورت ختم ہوچکی ہے اور اس کی کمر توڑنا ہی امریکی مفاد کے حق میں ہے، اور یہ کام مسلم حکومتوں کے ذریعہ پورا کرانا بہت ہی آسان ہے۔

اتحاد کے اہداف کے علاوہ اس کے ارکان کے اندرونی مسائل بھی اہم ہیں جنھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، مثال کے طور پر بحرین کا مسئلہ ہے، وہاں اکثریت شیعوں کی ہے جبکہ سنی اقلیت میں ہیں اور اقتدار انہیں کے پاس ہے، اب اگر اس اتحاد کا رخ یمن میں حوثی باغیوں کی جانب ہوگا تو یقیناً بحرین کی اکثریت بحرین کے اس جنگ میں شامل ہونے کے خلاف ہوگی جس سے ملک کے حالات بگڑ بھی سکتے ہیں۔

اسی طرح قطر کا معاملہ ہے کہ اس نے مصر کے پہلے منتخب صدر محمد مرسی کی کھل کر حمایت کی تھی اور ان کے صرف ایک سالہ دور حکومت میں تقریباً ساڑھے سات ارب ڈالر کی امداد بھی پیش کی تھی، اس کے علاوہ قطر پر حماس کی امداد کا بھی الزام لگتا رہا ہے جس کی امریکہ ومصر کے ساتھ سعودی عرب نے بھی مذمت کی تھی۔

اس اتحاد میں فلسطین کی شمولیت کا بھی اعلان کیا گیا ہے لیکن یہ واضح نہیں کیا گیا ہے کہ فلسطین سے کون سا علاقہ مراد ہے، جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ اس وقت فلسطین دو حصوں میں تقسیم ہے یعنی دریائے اردن کا مغربی کنارا جس پر محمود عباس کی فتح پارٹی کی حکومت

ہے، اور دوسرا حصہ غزہ پٹی پر مشتمل ہے جو حماس کے کنٹرول میں ہے، اور یہ دونوں علاقے اسرائیلی فوج کے رحم وکرم پر ہیں، جب چاہے ان علاقوں میں آمد ورفت کو بند کردیا جاتا ہے، غزہ کے مسلمانوں کی مظلومیت سے پوری دنیا واقف ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں کہ سعودی عرب کے حماس سے اچھے تعلقات نہیں تھے اس لیے ممکن ہے کہ اس اتحاد میں محمود عباس کی حکومت کی شمولیت ہو۔

اس اتحاد میں یمن کو بھی شامل کیا گیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کون سا یمن مراد ہے۔ شمالی یمن یا جنوبی یمن؟ کیونکہ اس وقت عملی طور پر یمن دو حصوں میں بانٹا جاچکا ہے، ایک حصہ شمالی یمن کا ہے جس کا دارالحکومت صنعاء ہے اور اس پر حوثی شیعہ قبائل کا قبضہ ہے، جن کے خلاف اس وقت سعودی عرب نے جنگ چھیڑ رکھی ہے۔ اور دوسرا حصہ جنوبی یمن کا جس کا دارالحکومت عدن ہے اور اس پر منصور ہادی کے حامیوں کا قبضہ ہے، اور اسے سعودی عرب کی حمایت حاصل ہے، منصور ہادی کو 2012ء میں متحدہ یمن کا صدر منتخب کیا گیا تھا جنھوں نے سابق صدر علی عبداللہ صالح کو معافی دیدی تھی۔

اس اتحاد میں پاکستان بھی شامل ہے جبکہ اس سے پہلے پاکستانی حکومت نے حوثی باغیوں کے خلاف سعودی عرب کی فوجی کارروائی میں شامل ہونے سے بالکل انکار کردیا تھا جس پر سعودی عرب کی جانب سے ناراضگی بھی ظاہر کی گئی تھی، اب اس اتحاد میں شمولیت حوثی کے خلاف کارروائی میں پاکستان کا موقف اختیار کرے گا یہ ایک اہم سوال ہے۔ اسی طرح بنگلہ دیش بھی اس اتحاد میں شامل ہے جو کہ اپنے آئین کے مطابق ایک سیکولر ریاست ہے، 2010ء میں جب بنگلہ دیش کے آئین کے اصول مرتب ہوئے تو ان میں سیکولرازم کو بنیادی اہمیت دی گئی، اور عدالت عالیہ نے مذہب کے نام پر سیاست کرنے پر پابندی عائد کردی، اس پس منظر میں دیکھا جائے تو بنگلہ دیش مذہبی بنیاد پر اس اتحاد میں شامل نہیں ہوسکتا، البتہ صرف دہشت گردی کے خاتمہ کے عنوان سے اس کی شمولیت کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو اس اتحاد کی ظاہری شکل غیر واضح نظر آتی ہے کیونکہ اس میں شامل کئی ارکان خود اپنی اندرونی مشکلوں کا شکار ہیں، مثلاً لبنان کی نصف آبادی مسلمانوں پر مشتمل ہے جبکہ باقی نصف آبادی میں عیسائی ہیں یا کچھ دوسرے اقلیتی فرقے ہیں۔

ایسے حالات میں اس نئے اتحاد کی کیا شکل بنے گی اس سلسلہ میں کچھ کہنا شاید قبل از وقت ہو، بہت ممکن ہے کہ اتحاد کے ارکان سر جوڑ کر بیٹھیں اور اپنی ٹھوس اور مؤثر حکمت عملی کے ذریعہ اندرونی مسائل کو حل کرنے کی کامیاب کوشش کریں، اور اس اتحاد کو شعوری یا غیر شعوری طور پر مغربی مفادات کے حق میں استعمال ہونے سے محفوظ رکھیں، تاہم اس سے انکار نہیں کہ سعودی عرب کا یہ اقدام ایک خوش آئند اقدام ہے اور خاص کر وہ کمزور ممالک جو اپنا تحفظ نہیں کرسکتے ان کے لیے نہایت مفید اور معاون۔ خدا کی ذات سے امید ہے کہ جلد ہی مسلمانوں کے سر پر سے زوال ونکبت کے بادل چھٹیں گے اور عروج کی کرنیں نمودار ہوں گی، اور مسلمانوں کے ہی ہاتھوں مسلمانوں کی تباہی کا جو سلسلہ چل رہا ہے وہ ختم ہوگا۔

مدحت سلطان مدینہ

جگر مرادآبادی

اک رند ہے اور مدحت سلطان مدینہ
ہاں کوئی نظر رحمت سلطان مدینہ

دامان نظر تنگ و فراوانی جلوہ
اے طلعت حق طلعت سلطان مدینہ

اے خاک مدینہ تری گلیوں کے تصدق
تو خلد ہے تو جنت سلطان مدینہ

اس طرح کہ ہر سانس ہو مصروف عبادت
دیکھوں میں در دولت سلطان مدینہ

اک ننگ غم عاشق بھی ہے منتظر دید
صدقہ ترے اے صورت سلطان مدینہ

اس امت عاصی سے نہ منہ پھیر خدایا
نازک ہے بہت غیرت سلطان مدینہ

کچھ ہم کو نہیں کام جگر اور کسی سے
کافی ہے بس اک نسبت سلطان مدینہ

سیّد احمد شہید اکیڈمی کی مطبوعات

عربی کتب

☆الغناء فی الإسلام -/65

☆تنویر الآفاق(شرح تهذیب الأخلاق) -/530

☆الهند في العهد الإسلامي -/200

العلامة عبدالحي الحسني

☆نزهة الأعلام -/400

الدكتور عبد العلي الحسني

☆إذا هبت ريح الإيمان -/130

الإمام أبوالحسن علي الندوي

☆شرح نزهةالنظر فی شرح نخبة الفكر -/150

العلامة وجيه الدين الگجراتي

☆مع الحقيقة -/80

☆أضواء على الطريق -/80

مولانا محمد الحسني

☆أضواء على السيرة -/70

الأستاذ عبد الله الحسني الندوي

☆مبادی و أصول فی علم حديث الرسول ﷺ -/20

بلال عبدالحی الحسنی الندوي

☆الفقه الميسر -/200

راشد حسين الندوي

☆مفردات صحيح البخاري -/680

عمر عثمان الندوي

ENGLISH BOOKS

☆The Economic Order In IslamRs.60/-

☆Muhammad-The Last ProphetRs.200/-

☆Two Human Faces Rs.30/-

از: حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ

پتہ: دار عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یو.پی.)

موبائل:9919331295

ایک علمی وفکری ویب سائٹ

www.abulhasanalinadwi.org

مفکر اسلام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

کی علمی وفکری، دعوتی واصلاحی خدمات

کا دستاویز

☆ کتابیں (عربی، اردو، ہندی، انگریزی ودیگر)

☆ آڈیو (عربی واردو بیانات) ☆ ویڈیو (ملکی وغیرملکی تقاریر)

محبوب ملت حضرت مولانا

سید محمد رابع حسنی ندوی کی

عربی واردو کتابوں، دروس قرآن ومختلف بیانات

داعی اسلام مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ

کے دروس قرآن، بیانات اور تصنیفات

اس کے علاوہ خانوادۂ علم اللہی کی علمی وفکری کاوشوں کا واحد مرکز

www.abulhasanalinadwi.org

مرکزالإمام أبي الحسن الندوي، دار عرفات

کا مفصل تعارف اوراس کی علمی وفکری سرگرمیوں سے آگاہی۔

یہ ساری سہولیات بغیر قیمت فراہم ہیں

آن لائن دینی وفکری

سوالات وجوابات

رابطہ:—

مرکز الامام أبی الحسن الندوی، دار عرفات

میدان پور، تکیہ کلاں، رائے بریلی۔

R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP - 09

Volume: 08 | JANUARY 2016 | Issue: 01

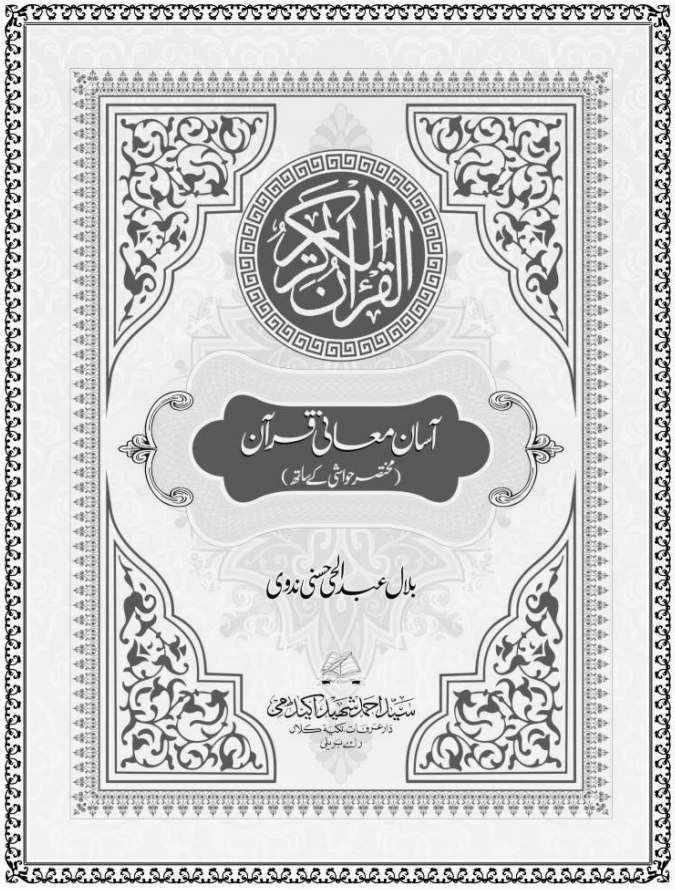

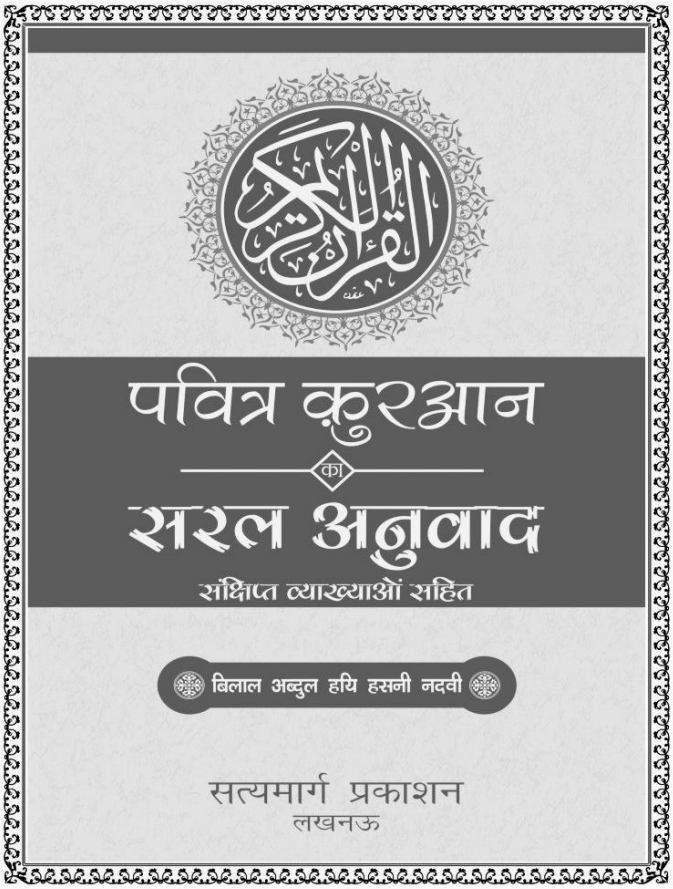

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9792646858
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)